

از زمین تا بہ آسمان سخن است

عرش و فرش

جوش ملیح آبادی

۱۹۴۴ء

کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی ۳

طبع اول ۱۹۴۴ء

تعداد ایک ہزار

مطبوعہ یونائیٹڈ فائن آرٹ لیمیٹڈ گرافرز موبکاول بمبئی

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱	بنام قوت و حیات	۵	۱۱	آدمی نامہ	۵۰
۲	عدالتِ حق	۱۱	۱۲	لا علاجِ آخر	۵۸
۳	ایک پرانی غزل	۱۳	۱۳	شش و پنج	۶۱
۴	پرانی یادیں	۱۵	۱۴	ظلمت کی تما	۷۲
۵	نامکمل خاکے	۱۶	۱۵	اُترا ہوا چہرہ	۷۷
۶	یارِ سادہ	۲۹	۱۸	دریوزہ التفات (و)	۸۳
۷	ادائے سلام	۳۲	۱۹	دریوزہ التفات (ب)	۸۵
۸	صبح شاعر	۳۳	۲۰	بشارت	۸۷
۹	جوابِ شاعر	۳۴	۲۱	فطرتِ اقوام	۹۰
۱۰	آہ لکھنؤ	۳۸	۲۲	وعدہ فراموشی	۹۲
۱۱	نوجوانی کی ایک رات	۴۱	۲۳	سونی جنت	۹۴
۱۲	بڑھاپے کی پہچان	۴۶	۲۴	لقاقب	۱۰۰

۱۶۷ عروس البلاد بیلٹی	۳۹	۱۰۷ تقلید و تحقیق	۲
۱۶۹ مراب	۴۰	۱۰۹ ہاں یاد کر سحر	۲۰
۱۷۳ عورت	۴۱	۱۱۱ اے من کا ہے تو گھبرائے	۲۰
۱۷۴ یاد کر	۴۲	۱۱۵ جنبل تیرا پھر رہا ہے فنائیں	۲۰
۱۷۵ کشود کار	۴۳	۱۲۱ زندگی کے دوزخ	۲۰
۱۷۶ اہل بیخ آباد سے	۴۴	۱۲۷ اے رحمت یزدان	۳
۱۷۸ ارباب ادب ہوشیار	۴۵	۱۳۱ یہ امیروں کے مصاحب	۳۱
۱۷۹ چہرہ برا فرخستہ	۴۶	۱۳۶ آزدگی بے سبب	۳۲
۱۸۰ ایک بے چین رات	۴۷	۱۳۸ سفاک رحم	۳۲
۱۸۲ محبت کی زبان	۴۸	۱۴۰ اے دل	۳۲
۱۸۵ کارل مارکس	۴۹	۱۴۲ آخری تنہا	۳۵
۱۹۱ سحاب سرور	۵۰	۱۴۷ ہولناک تبدیلی	۳۶
۱۹۵ رباعیات	۵۱	۱۴۹ اے دوائے آدمی	۳۷
۲۴۵ آوارہ خیالات	۵۲	۱۶۴ مرگِ نور	۳۸

بنامِ قوت و حیات

نظامِ نو

کھیل، ہاں اے نوعِ انسان، اِن سیہ راتوں سے کھیل
 آج اگر تو ظلمتوں میں پابہ جولاں ہے تو کیا
 مسکرا نے کے لئے بچپن — ہے صبحِ وطن
 اور چندے ظلمتِ شامِ غریباں ہے، تو کیا
 چل چکی ہے پیشوائی کو نسیمِ بارِغِ مصر
 آج یوسفِ مبتلائے چاہِ و کُشاں ہے تو کیا
 اب کھلا ہی چاہتا ہے پرچمِ بادِ مراد
 آج ہستی کا سفینہ وقفِ طُوفان ہے تو کیا

اٹھنے والی ہے نگارِ صبح درماں کی نقاب
 آخر شبِ زحمتِ درمنداواں ہے، تو کیا
 ختم ہو جائے گا کل یہ ناروا پست و بلند
 آج نامہوارِ سطحِ بزمِ امکاں ہے تو کیا
 کھل رہی ہے خندہ گیتی کی زلفِ خم بہ خم
 اس کُرسے پر آج دامِ چشمِ گریاں ہے تو کیا
 آئیں دل سے تبسم کی شعاعیں تا بہ لب
 اشکِ خوئے آلود اگر عنوانِ مثرگاں ہے تو کیا
 کل اسکا موجِ نفس میں پر رقص فرما یے گا لحن
 آج آہوں سے اگر یہ تار لرزاں ہے تو کیا
 مٹھیسوں میں بھکے افشاں چل چکا ہے انقلاب
 ابرسم، زلفِ جہاں پر بالِ جنباں ہے تو کیا

بیل دانش، پر افشاں ہے چمکنے کے لئے
 آج مرغ و ہم، ذہنوں میں غزلخواں ہے، تو کیا
 راہ میں ہے کارواں تشکیک اور تحقیق کا
 آج اگر نادانی تسلیم و ایقان ہے تو کیا
 ختم ہونے پر ہے تبلیغ روایات و رسوم
 آج اگر تفسیر حکمت، جرم و عصیاں ہے تو کیا
 نصب ہونے ہی پہ ہے میزان دیدار و دلیل
 محکماں اس وقت اگر بالغیبِ ایماں ہے، تو کیا
 کل عجائب خانہ ہوگا اور یہ پیرِ مرزہ
 آج اگر منبر پہ شیخِ پاک داماں ہے، تو کیا
 منزلیں طے کر چکا ہے آفتِ بیا فکرنو
 آج اگر رُوحِ قدامتِ ظلمت افشاں ہے، تو کیا

کل یہی "بندہ" "الومتیت" سے ہوگا شاد کام
 آج اگر بہتانِ عبدیت پہ نازاں ہے، تو کیا
 ناز کی محراب میں جلنے پہ ہے شمعِ نیاز
 بر سرِ جنگ آج اگر لیسلائے دُوراں ہے تو کیا
 کل جوہر سے گراں ہوگی لہو کی بوند بوند
 آج اپنا خونِ پانی سے بھی ارزاں ہے، تو کیا
 جانور کا حبِ نور بھی کل نہ ہوگا مدعی
 آج اگر انساں کا انساں دشمن جاں ہے، تو کیا
 کھل رہا ہے وحدتِ اقوامِ عالم کا سلم
 آج انساں، منکرِ توحیدِ انساں ہے، تو کیا
 سایہ افکن ہے ہیولی، برقِ ایواں سوز کا
 آج صرفِ باغِ سلطان، خونِ دہقاں ہے، تو کیا

آسماں کو روندنے والی ہے بالآخر زمیں
 آسماں آج اس زمیں پر آتش افشاں ہے، تو کیا
 بن رہا ہے صرصر و سیلاب خونِ ہاشمی
 آج ابوسفیان کے گھر میں چراغاں ہے، تو کیا
 آرہی ہے آگ، لٹکا کی طرف بڑھتی ہوئی
 آج راوَن کا محل، سیتا کا زنداں ہے، تو کیا
 اچکا ہے رونقِ فردا کا جنبش، میں جہلوس
 آدمی کا خانہ امروز ویراں ہے، تو کیا
 دستِ غم خواری میں ہوگی کل زمامِ آب و نال
 آج اگر نامہربانی ہمیں رساں ہے، تو کیا
 ہو رہا ہے طبعِ فنِ حیاتِ جاوداں
 قوت اگر اب تک رگِ جال پر خراماں ہے، تو کیا

سینہ خفیاطِ عالم میں ہے طرحِ رختِ نو
 آج اگر سماءِ مہتی چاکِ اماں ہے، تو کیا
 جوشِ کے افکار کو مانے گی مستقبل کی روح
 آج اگر رسوا یہ مردِ نامسماں ہے، تو کیا!

عدالتِ حسن: —

پھر اُن کو ہے ذوقِ عدالتِ پناہی
 مبارک ہوا ہے جذبہٴ دادخواہی
 خوش قسمت عصمتِ دل، کہ مجھ پر
 نہ ثابت ہوئی تہمتِ بد لگا ہی
 مری ستم سے پیشِ صبحِ درخشاں
 شبِ غم نے دی کتنی بہتر گواہی
 ہوا فیصلہ پھر کہ میسر لئے ہیں
 نواہی، آواہی — آواہی، نواہی

پھر اجلاسِ قاضی حُسنِ جواں میں
مُسلم ہوئی عشق کی بے گُنہی
پیرافشاں ہے یا نگِ مستِ فہنا میں

غزلِ لخواں ہے بیتے دنوں کی گواہی
سرا اس کا ہے، اور مجھ گدا کے قدم پر

کہ ٹھوکر ہے جس کی مجھے تاجِ شاہی

پھر اعلانِ عزتِ ولیٰ شامِ حرام
ہوا از سرِ منبرِ صبحِ گاہی

ادھر مڑ کے چشمِ عنایت نہ کرنا

کہ اس وقت شاداں ہے شاعرِ الہی

اس افراطِ حکمت پہ بھی جوشِ مجھ میں

وہی بانگین ہے، وہی کج کُلاہی

ایک پُرانی غزل (۱۹۳۰ء)

عقل کی جرح سے اُٹنے جو لگے عشق کے ہوش

حسن اٹھانا زسے امداد یہ دیوانوں کی

تم مری سمت نہ دیکھو کہ مے چہرے پر

آرزو کی ہے شکن، لہر ہے ارمانوں کی

اے حرم خواب سے بیدار ہو، ایماں مٹیا

عشق زنجیرلاتا ہے صنم خانوں کی !

بس بس اے مطربِ نوخیز خدا را خاموش

موج اٹھتی ہے مے خون میں طوفانوں کی

مُکراتے ہوئے یوں آئے وہ مے خانے میں

رُک گئی سانس چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

اے میرے قدیم دوست حکیم آشفقہ لکھنوی نے مجھ سے یہ غزل عین شاعرے کے وقت کرے میں بنا

الاماں حضرتِ شفقت کی شفقتِ سری
 کھینچ لائے مجھے محفل میں غزل خوانوں کی

برائی یادیں

دل سے اُٹھتا ہے دُھواں، دہریہ چھا جاتا ہے
 ہائے وہ وقت جب اپنے پہ ترس آتا ہے
 دل بہلنے کا نیکلتا ہے جو پہلو کوئی
 کیا قیامت ہے کہ دل اور بھی گھبراتا ہے
 جھومنی جب کبھی اُٹھتی ہے گھٹا قبلے سے
 اپنی بیٹی ہوئی راتوں کا خیال آتا ہے
 دیکھتا ہوں جو سہ راہ جنازے کا جلوں
 دلِ انساں کی تمناؤں پہ جسم آتا ہے
 جوشِ ہر سانس میں دل بیٹھ رہا ہے میرا
 ہائے کیا قصرِ بے رنگ دُھا جاتا ہے

نامکمل خاکے

(۱)

پئے تفصیلِ حُسنِ ساعقہٴ بار
 آج جنباں ہے یوں لبِ گفتا
 ساحلِ بحرِ پرِ حبِ بابوں کا
 گوندھنا چاہتا ہوں گویا ہمار
 یا کھلی سے اٹھانے بیٹھا ہوں
 شبنم تازہ کے دُرشہوار
 الحذر وہ نگارِ دہرِ گن
 الاماں وہ بتِ اِلہِ شکار

(۲)

چست و چالاک و چاق و چاکب دست
 مست و مدبوش و سرخوش و سرش
 گل رُخ و مه جمال و آئینه رو
 نورس و نرم و نادره گفتار
 تیز و طرار و تند و تاب ریا
 شوخ و شنگ و شیر و شجده کا
 زرفشاں، مشک ریز و میسکه ساز
 گل چکان، مے فروش، زمزمه با
 مہ گیل، مہ سوز، بخم شکن
 شمع یوسف گداز و حور آزار

شبستان بدوش و صلد بکف
 غنچگی بر رُخ و چمن بکنار
 طُرفِ آنسُونِ دیدۀ و مَرگاں
 زندۀ اعجازِ کاکُل و رُخسار
 آفتِ زاهدانِ گوشه نشین
 فتنه عابدانِ شب بیدار
 شامِ عشرت ، به عشوه خولِ یز
 صُبْحِ صَحَّت ، به نرسِ میا
 محرمِ رازِ شوخی و تبکیں !
 ساحل و موجِ خفتِ عُبیدار

(۳)

زلفِ ظلماتِ چشمه حیواں
 رُخِ شبِ ماهِ خاانه خُشتا

چہرہ، تفسیرِ اسمِ شمس و مَتر
 چشم، تعبیرِ خوابِ جامِ خمّ
 گفتگو، نہرِ تنگیِ اندک
 خامشی، بحرِ وسعتِ بسیار
 لعلِ شیریں و چشمِ روشن میں
 موجِ نعمتِ و گردِ شمسِ انوار
 سو گوار نہ خال و خد پہ سرور
 عاجزانہ جمال میں پندار
 کس تناسب سے رخِ پیہم آہنگ
 آبِ اترار و آتشِ اٹکار
 ابروؤں میں طلسمِ راز و نیاز
 تیوروں میں فسوںِ لیس و نہا

لب و رخسار میں سموئی ہوئی
 نرمی صُبح و گرمی پیکار
 جھکتی نظروں میں عاشقانہ کشش
 اٹھتی پلکوں میں آہوانہ فرار
 پاس سے زہر۔ دور سے تریاق
 خلوت انکار و انجمن اقرار
 خم گردن، کہ قصہ مینا
 لبِ اعلیس، کہ داستانِ ہزار
 وقتِ گفتار۔ اک جمِ الِ گلِ ہانگ
 دمِ رفتار۔ اک رواں گلِ زار
 ہر کناٹے میں خُسد کے عُرفے
 ہر اشارے میں مصر کا بازار

(۴)

منتحرک تصویرِ گل و گل
ذی نفس آنفوی سر و چہار

کانیتی چاندنی سر دریا
دوڑتی روشنی سر کہسار

لڑکھڑاتی شمیمِ شامِ خنک
رسماتی نسیمِ صبحِ بہار

گنگنا تخیالِ تاجِ محل
مسکراتی مرادِ شالامار

(۵)

دھنکے سونے کا آبتار کہ زلف
کھلتے بیلے کی چاندنی کہ عذار

نازِ بینوں کی صدرِ بزمِ افروز
 مہِ جبینوں کی قافلہ سالار
 سپہِ خاکیاں جلقہٴ خاک
 اُس کے دربار میں عصا بروار
 لشکرِ نورِ یانِ عالمِ پاک
 اُس کے جلوؤں سے نقشِ برِ لویا

(۶)

شوخیوں کی دھومِ رگِ رگِ میں
 جیسے باراں میں جھومتے اشجار
 چشمِ وِرخسارِ یوں تجسّلی ریز
 جس طرح شیشہ ملے تاب گزار

رُوئے گل ریزیوں عرق آلود
 جیسے پھولوں پہ بوندیوں کا نکھار
 یوں اُمنگوں کا قص آٹکھوں میں
 جیسے ساغر میں ثابت و ستیار
 نورِ ظلمت کی عشوہ کاری سے
 یوں دلاویز کاکل و رخسار
 جیسے گوگل کی شام کا رُمان
 جیسے گنگا کی صُبح کے انوار
 یوں تبسم میں ولوں کا ہجوم
 جیسے شاہانِ ہند کا دربار
 بات جیسے صدائے خندہ گل
 چال جیسے خدامِ ابر بہار

گردِشِ چشم و جنبشِ مژگاں

جیسے خوابوں میں رقصِ لیل و نہار

کننی چہرہ، اور سیہ ساری

جیسے کبے پہ بارشِ انوار

سبزہ و گل پہ وہ لطیفِ خرام

جیسے کوئی بجا رہا ہو ستار

نگہِ شوق سے وہ رخ پہ حیا

جیسے شیشے کو چھو رہی ہو پتھار

پردہٴ چشم میں نہاں یوں شوق

جیسے قندیل، نہر کے اُس پار

(۷)

مَوجِ اَنفاسِ خواب آگیں سے
یوں مچلتا ہوا گلے کا ہار
جیسے انوارِ صبح، گرم خِدا
جیسے امواجِ بحرِ نامہوا

(۸)

صبح کے نقرئی دھندلکے میں
رُوئے ناشتہ پر وہ بیند کھار
جیسے حلقہ کی مست تالوں میں
کیف کا جوش، سرخوشی کا اُجھار

(۹)

سُرخِ جلد کے تَوُج سے

یوں پَرافشاں، لباس کا ہر تار

جیسے گلشن میں آتشِ گل کا

شبنم آلود جھبٹ پٹے میں غبار

(۱۰)

لہجہ غلطیدہ جس طرح موتی

مرمر میں فرشِ پریمین و بسیار

جیسے چینی پرستک زرقاں

اشرافی کی بلور پر جھنکار

(۱۱)

بات کرنے میں پینگ کا عالم
 اتنی بھگی سے، اور بہا میں ہنچا
 جیسے فرقت کی چاندنی کے حضور
 دل میں تیرے کوئی مہین سہی ہوا
 یا گل تر کے سونگھنے کے وقت
 جیسے سینے میں سانس کی رفتار

(۱۲)

حسن کی شرح، غیر ممکن ہے
 بند ہو بند، اے لبِ گفتار

ساحلِ بحر پر حبِ بون کا
 چاہتا تھا کہ آج گوندھوں ہار
 اور کلی سے اٹھانے بیٹھا تھا
 شبنمِ تازہ کے مورِ شہوار
 نہ تو وہ ہوسکا، نہ یہ اصد حیف
 ٹوٹا حب، خامۂ فضولِ نگار
 نطق کے بس میں آنہیں سکتی
 بوئے گل، تابِ ماہِ طلعتِ یار

یارِ سادہ (۱۹۲۲ء)

در آیا مرے تنگ خلوت کدے میں
 بعدِ عشوہ کل شب کے وہ یارِ سادہ
 ہر اک لیسی عصرِ بس کی کنیزک
 ہر اک را کبِ نازِ بس کا پیادہ
 سُبک جس سے پریوں کی ہر نسل رنگین
 نچل جس سے حوروں کا ہر خانوادہ
 زباں میں گھٹلاوٹ، نہ ہلکی، نہ بو جھل
 نگہ میں لگاوٹ، نہ کم، نہ زیادہ

سمٹتے ہوئے ابرو ان خمیدہ
 مہکتی ہوئی کاکل تائب دادہ
 بہارِ گل افشاں و ابرِ سُبک رو
 نگوں سرِ اکرب تہ ، چہرہ کشادہ
 نظر سے ٹپکتی ہوئی صبح بستاں
 جہیں پُرچہلتی ہوئی شامِ بادہ
 لبِ لعل میں حرفِ پُرسش کی کاوش
 نگاہوں میں عذِ حُفنا کا ارادہ !
 بہ گیتی ترنم ، بہ گردوں تبسم !
 بے ہند پروردہ ہندوؤں زادہ

جلو میں کمر بستہ رنگ و تختہ
 چمران کی جیسے قطار ایستادہ
 مسرت کے بندِ قبا کھل رہے ہیں
 جلا ڈال اے جوشِ غم کا لبادہ

اداے سلام

آنکھوں میں غنچہ ہائے نوازش پنخوڑ کر
 میرے دل شکستہ کو نرمی سے جوڑ کر
 ہونٹوں پہ نیم موجِ تشبہم کو توڑ کر
 میری طرف خفیف سا گردن کو موڑ کر

کل صبح راستے میں، سہانی حیا کے ساتھ
 اُس نے مجھے سلام کیا کس ادا کے ساتھ

صبح و شاعر

کہتا تھا خود کو، نامِ خدا تو سحر پرست

اب میری بارگاہ میں آتا نہیں ہے جوش

جس جھپٹے نے تج کو سکھائے تھے زمزمے

اُس جھپٹے میں اب کبھی گاتا نہیں ہے جوش

گلیاں چٹک کے پھول بنیں، پھول ہنسٹیں

اب اس روش سے بلغ میں آتا نہیں ہے جوش

میری بہشتِ حسن میں اپنی زبان سے

دریا لافنتوں کے بہاتا نہیں ہے جوش

آہستہ سے ہٹا کے دھندلکے کی شبیہ
 اب میسے فرشتہ خواب تک آتا نہیں ہے جوش
 یہ طرفہ سانچہ ہے کہ اب ایک عمر ہے
 پہلی کزن کا تار مجھ آتا نہیں ہے جوش
 بانگِ طیور و جنبشِ بال نسیم سے
 اب کیا ہوا کہ جوش میں آتا نہیں ہے جوش

جوابِ شاعر

نرسکوے نرے درت نگرے نگارِ صبح
 اب جوش، بزمِ ناز میں آئے تو کس طرح
 چٹکتا ہے جو آتشِ عزم سے تمام رات
 وہ منہ اندھیرے عودِ جلائے تو کس طرح

اُس طاق میں کہ جس میں جلانا تھا شمعِ دل
 اب دل تو کیا، چپ لُغ جلانا نہیں ہے جوش
 چلتی ہے جب نسیم، مچپلتی ہیں ڈالیاں
 پودوں کو اب گلے سے لگاتا نہیں ہے جوش
 حافظ کے شعر پڑھ کے، مری بارگاہ میں
 اب مُنہ اندھیرے عود جلانا نہیں ہے جوش
 زانو پہ نسرقِ ماہ کو رکھ کر خیال میں
 اب میری چاندنی کو سلاتا نہیں ہے جوش
 گردوں پہ دیکھتے ہی مرا نعتِ دلی جلوس
 میدان میں جھومتا ہوا آتما نہیں ہے جوش
 تاروں کی آنکھڑیوں میں ہیں آنسو بھجے ہوئے
 بچھلے پہر اب اشک بہاتا نہیں ہے جوش

ہر آن آہِ نمرودے ہو بس کا سابقہ
 عروجِ حباب سے وجد میں آئے تو کس طرح
 جس پر کٹافیتیں ہوں غمِ روزگار کی
 دریا لطف توں کے بہائے تو کس طرح
 دُنیا میں جس کا ٹوہ بھی سننا نہ ہو کوئی
 وہ بد نصیب شعر سنائے تو کس طرح
 طغیانِ تیسرگی میں جسے سو جھٹا نہ ہو
 وہ طاقِ زر میں شمعِ جلائے تو کس طرح
 بنتِ عنب کے ساتھ جو جاگا ہو دیر تک
 تکیئے سے جلد سر وہ اٹھائے تو کس طرح
 وہ آفتاب، رات گئے ہو غروب ہو
 قبل طُلوعِ جلوہ دکھائے تو کس طرح

آتش کی لوریوں سے ملایا گیا ہو جو
 ایسے کو آبِ چرخِ جگائے تو کس طرح
 جس کے جگر میں ہوں غمِ پوشیں کی برھیلا
 پسلی کرن کا تازِ بجائے تو کس طرح
 پہلو اُٹھ چکا ہو جس آفتِ سیدہ کا
 زانو چپ اندنی کو سلائے تو کس طرح
 گونجی ہوئی ہو جس کی رگِ پے میں ہائے
 دھو میں تری فضا میں مچائے تو کس طرح
 جو خشک آنسوؤں سے پیئے رات کو تراب
 وہ جوشِ صبحِ اشکِ بہائے تو کس طرح

آہ لکھنؤ

لکھنؤ! دیکھ، کہ میں کتنی پریشاں تجھ بن
 یہ بستی ہوئی راتیں، یہ گرجتے ہوئے دن
 کھائے جاتا ہے ترے شاعر بزمِ آرا کو
 دھول پُور، آہ جہاں ہے نہ کوئی انس نہ جن
 ایسے بگڑے ہوئے چہروں پہ نظر پڑتی ہے
 جن سے آتی ہے ترے زیدِ خرابات کو گھن
 ان کو کہنے کی جگہ کہنے میں ظالم بن کو
 اور دُلہن مٹنے سے نکلتی ہے بگڑ کر دُلہن

ایک تارا ہے، سو وہ ڈوب چکا ہے غم میں
 اک بستمبر کہ جسے رات میسر ہے، نہ دن
 اسی مڑتے ہوئے چھکڑے میں جتا ہے اتیک
 "تیری پھالی" کہ سدا سے ہے بقدر پاک پہن
 ہا سب اُروپ کو اب رُوپ کے ڈھونڈوں میں کہا
 کر مری موت کا اعلان - کہ صر ہے معلن
 آدمی صبح کو بھی چلتے ہیں آؤندھے آؤندھے
 نکھیاں رات کو بھی اُڑتی ہیں بھن بھن بھن
 گونجتی رہتی ہیں ناقوس اذان کی چیمیں
 نہ تو مُشرک ہی غنائی، نہ سیرِ مہمن
 اعتنا آہ نہ ہو، نہ اُمید و مجاز
 کہ یہی چند ہیں اب صحبتِ شب کے خنامن

لے سرور مارا چند پر ایتھریٹ سکرٹری مارا صاحب مدد بابو بستمبر دیال کنیاں انجینئر سے بابو تیرپائی ربو سے انجینئر

لے سرور مارا چند پر ایتھریٹ سکرٹری مارا صاحب مدد بابو بستمبر دیال کنیاں انجینئر سے بابو تیرپائی ربو سے انجینئر

کو پیتا جعفر و قاسم سے یوں گا کس روز
 اس جگہ کوئی نجومی ہے نہ کوئی کارہن
 کس کی آواز سنوں، کس کی تجبلی دیکھوں
 نہ تو یارانِ موافق، نہ بُستانِ کم سن
 لکھنؤ! کیا اسی مرگھٹ میں گزرجائیں گی
 یہ برستی ہوئی رانیں، یہ گرجتے ہوئے دن؟

نوجوانی کی ایک رات

عجب نوجوانی تھی اپنی بھی پیارے
 نہیں بھولنے کے وہ کافرِ نظارے
 سن اک چاندنی رات کی بات مجھ سے
 ابھی تک سے دل پہ چلتے ہیں آ رہے
 وہ جادو کے جھوٹے، وہ افسوں کی مٹھیں
 وہ بیلے کے تختے ندی کے کنارے
 وہ دہکے سے پھول، اور وہ مہکے سے غنچے
 وہ بالکاسا چاند اور وہ چھتے سے تارے

فلک پر دھکتے ہوئے لالہ و گل
 ندی میں جھلکتے ہوئے سنگ پارے
 وہ حد نظر تک غزلخواں و رقصاں
 دھڑکتے ہوئے دل کے ارمان سارے
 وہ منظر کہ شاید خدا پھر زمیں پر
 صغیفہ کوئی آسمان سے اتارے
 وہ پہلو میں اک سیم بر لوہانی
 بکا کل، سحابے، بعارض بہارے
 بنشگاں خدنگے، بہ ابرو، کمانے
 بہ تمکین، خوابے، بہ شوخی ہزارے
 اُسی طرح، رومان ہوتا ہے جیسے
 برستی گھٹائیں ندی کے کنارے

جہیں پر گلابی پسینے کے قطرے
 پسینے کے قطروں میں تابندہ تارے
 تبسم کی رو میں امنگوں کی لہجوں
 امنگوں کی بچل میں گنگا کے دھارے
 جھلکے سے پتھروں میں وہ چشمِ تاباں
 کوئی جیسے کاجل تکلف سے پارے
 وہ پیکوں کا سرشاریوں سے جھپکنا
 لہو میں امنگوں کے جیسے ترارے
 لینے مدبھری، ادھ کھلی انکھڑیوں میں
 رسیلے کنائے، کیٹیلے اشارے
 رخِ لالہ گوں میں مچلتے ہوئے سے
 جوانی کے شعلے، جنوں کے شرارے

لب جو کبھی سیکڑوں ہیچ و خم سے
 تِلّا طم سے چلنا وہ سینہ اُبھارے
 کبھی لیٹ جانا وہ کہنی کے بن پر
 کبھی بیٹھ جانا وہ میسر ہارے
 کبھی دیکھ کر مجھ کو نرمی سے کہنا
 ”بُٹے دکھ میں رہتے ہیں، شاعر بچا ہے“
 وہ میرا یہ کہنا کہ گو بعد مدت
 مگر تم مرے پاس آئیں تو بارے
 بسا طرب پر، رگ و پے کے اندر
 وہ میٹھی چُپھن جس پہ دل جان مارے
 وہ اک دوسرا، فرطِ دہال کے باعث
 وہ اک غم سا، بارِ مسترت کے مارے

وہ بھولا سا اک گیت، غلطاں فضا میں

”بہن آج آئے ہمارے دُور سے“

جو اُس روز اے جوش یوں جلوہ گر تھی

اُسے آج یوں کاش کوئی پکارے

کہ ”نڈی اکھم اور میسداں ہے جل تھل“

چلی آ لیکھتی کنارے کنارے“

بڑھاپے کی پہچان

اگر دین ہے خالی رجز خوانیوں سے
اگر رات کو نغمہ خوانی نہیں ہے
اگر آنکھ میں رس نہیں آنسوؤں کا
اگر دل میں سوزِ نہانی نہیں ہے
نہیں ہے اگر صبح کو ربِّ اِزنی
اگر شام کو لَن ترا فی نہیں ہے
ہر اک شبِ اِکسی تازہ عشرت کدے میں
اگر دعوتِ زندگانی نہیں ہے

اگر علم کی آگ بجلا چلی ہے
 جہالت سے دل پانی پانی نہیں ہے
 ہوائے ترنم میں آوجِ فضا پر
 اگر جذبہٴ پریشانی نہیں ہے
 برستے ہوئے بادلوں کے دھوئیں میں
 اگر قص و رنگ و روانی نہیں ہے
 مہکتی ہوئی خواب گاہوں میں جا کر
 بہکتی ہوئی گلِ فشانیاں نہیں ہے
 مچلتے بتوں، چلبے مسہ و شول کی
 اگر طاقتِ میزبانی نہیں ہے
 اُبلتا ہوا سحرِ لالہ گول میں
 اگر بادۂ ارغوانی نہیں ہے

اگر آتشِ زندگی کی لپٹ میں
 حوادث کی ہر آگ، پانی نہیں ہے
 اگر دن ہے محرومِ خود و زرہ سے
 اگر شب کو پرِ شناکِ ہانی نہیں ہے
 گناہوں کے بڑھتے ہوئے ولولوں کی
 نظر سے اگر ترجمانی نہیں ہے
 فتوحات کی سمت بڑھتا نہیں دل
 عبادات سے آنا کافی نہیں ہے
 لگاراںِ ارض و بیتانِ سما پر
 اگر ہمتِ حکمرانی نہیں ہے
 حینوں کے آفتوں طلبِ مجہرِ مٹوں میں
 اگر ذوقِ افسانہ خوانی نہیں ہے

اگر شام کوئی نہیں ہے سونو
 اگر صبح کوئی سہانی نہیں ہے
 اگر شادمانی ہے بے غم
 غموں میں اگر شادمانی نہیں ہے
 چھلکتے ہوئے ساغروں کی کھنک میں
 دو عالم اگر اک کہانی نہیں ہے
 تنوع کے ایما سے تھوڑے ہی دن میں
 اگر ہر نئی شے پرانی نہیں ہے
 گزشتہ خطاؤں پہ ہے شرمساری
 نئی وارداتوں کی ہٹانی نہیں ہے
 تو پھر جوشِ اسوگندِ ربِ تلاطم
 وہ پیری ہے، پیری جوانی نہیں ہے

آدمی نامہ

(۱)

گو فرشتوں میں چرخ سے بالا ہے آدمی
 ہر شے سے کائنات کی اعلا ہے آدمی
 محرابِ زندگی کا احباب ہے آدمی
 لیکن ابھی تو طفلِ دوسالا ہے آدمی

اب تک تو خاک چھاننے والا ہے آدمی

(۲)

اس آدمی کا تجھ سے کہوں کیا میں کیف و کم
 اک آن میں ہے سبز، تو اک آن میں بھسم
 تریاق ہے جو صبح کو، تو شام کو ہے عم
 منعم ہے، تو ہے شیر کا بھی خویش محترم

مفلس ہے تو گدھے کا بھی سالا ہے آدمی

(۳)

تُوْت میں بے نظیرِ صَوْلَت میں فرو ہے
 عزّت میں بمِثال ہے طاقت میں فرو ہے
 اعزاز و استرام و جلالت میں فرو ہے
 پیسہ ہے جیب میں تو شرافت میں فرو ہے

پیسہ اگر نہیں تو رِوا لا ہے آدمی

(۴)

کس کو خبر کہ دیو تہمتن بنے گا کب
 شاہین زندگی کشیم بنے گا کب
 طاقت کا اس زمین پر مہن بنے گا کب
 کیا جانئے کہ فاریح آہن بنے گا کب

اب تک تو صرف روئی کا گالا ہے آدمی

(۵)

اب تک تو آستانِ حماقت ہے اور سر
 اب تک تو "خیرِ سست" ہے، اور تیز کام "نشر"
 اب تک تو پھر رہا ہے دل و ذہن ادھر ادھر
 ہر دیو کا میسہ کی خداک ہے بشر

ہر دیو کا مراں کا بوالا ہے آدمی

(۶)

انسان وہ کلی ہے جواب تک کھلی نہیں
 وہ شاخ ہے صباے جواب تک رہلی نہیں
 پرشاکے، یہ وہ جو ابھی تک سلی نہیں
 گنجی ہنوز عقل کی اُس کو رلی نہیں

جو آج تک ہے بند وہ تالا ہے آدمی

(۷)

اب تک ہے بزمِ جہل میں ناداں طوطا ہوا
 اب تک ہے علم و عقل و ہنسِ ریں گھٹا ہوا
 اب تک لباسِ ذہن و ذکا ہے پھٹا ہوا
 اب تک ہے خاکِ تیرہ میں انساں اٹا ہوا

ہر چہد خاکِ تیرہ سے بالا ہے آدمی

(۸)

پروا کسے جو آج ہے دن بھی سیاہ رات
 کیا غم اگر زمیں پہ وا ہے دُرُمّات
 یعنی محکم دھر و بھڑن کائنات
 انساں کو آج رَوْنْد لے ہے ہیں جو حادثات

کل اُن کو جوشِ رَوْنْد نے والا ہے آدمی

لاعلاج تاخیر

تڑبت کی تیرگی میں اُجلا ہوا تو کیا
 جینے کا بعدِ مرگ سہارا ہوا تو کیا
 سونا پڑا ہے سینہ جفاے دماغ سے
 اب دل کو اذنِ شرح تمنا ہوا تو کیا
 مدت سے اب تو گیسوئے دانش ہر اور دوش
 اب ابر زلفِ یار ہویدا ہوا تو کیا
 یوسف کو رنجِ ہجرِ مسلسل نے کھ لیا
 اب اہتمامِ قسبِ زلیخا ہوا تو کیا

مجنوں کے ولولوں ہی پہ جب اس پڑنگی
 صحرا میں رقصِ ناقہ بیسے ہوا تو کیا
 سن ہو چکے ہیں حرف و حکایت کے ولولے
 اب غرۃِ حیریم سخن، وا ہوا تو کیا
 تبدیل ہو چکا تھا جو دریا اب میں
 اب جاگے پھر نہ اب سے دریا ہوا تو کیا
 پچھلے پہر سے مہر بہ لب ہے مریضِ غم
 اب صبحِ انبساط کا غوغا ہوا تو کیا
 خود دروین چکا ہے مداوائے زندگی
 اب دروِ زندگی کا مداوا ہوا تو کیا
 گہوارہٴ سفینہٴ وہاڑوئے ناخدا
 اب ڈوبنے کے بعد مہیا ہوا تو کیا

اقرارِ دل نوازی و آہنگِ الفت

پھر اُس نگاہِ ناز میں پیدا ہوا تو کیا

جب ہو چکا شہیدِ غرورِ جذبہ جنوں

اب سوئے حبیبِ گل کا شمار ہوا تو کیا

اب اک ہلاکِ یاس کا ہنگامہ نشاط

بے مہرِ زندگی کو گوارا ہوا تو کیا

آنکھوں کو جو شش بند ہوئے دیر ہو گئی

اب بے نقابِ عارضِ سلمیٰ ہوا تو کیا

شش و پنج

(۱)

اے عقل! جنوں زار میں جاؤں کہ نہ جاؤں
 پھر دامن کہہ رہیں جاؤں کہ نہ جاؤں
 پھر دشتِ فسوں بار میں جاؤں کہ نہ جاؤں
 منزلِ گم و دشوار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

اب کوچیۂ دلدار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۲)

افکار کے اس گنبدِ سیسے سے گزر کر
 اس دائرۂ انجس و پرویں سے گزر کر
 اس تازہ فسد گاہِ جہاں میں سے گزر کر
 تسکین کے اس گوشہ تمکین سے گزر کر

طوفان کے دربار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۳)

بیٹھا ہوں سب لوہ کہ عام تفکر
 رگ رگ ہیں لیئے بادۂ کُفِ عامِ تفکر
 اک عمر سے ہوں مُتکفِ بامِ تفکر
 مدت سے ہوں، مہمّۂ خدامِ تفکر

اب حُسن کی سکرکاریں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۴)

اِس کار گہ جُز دورہ کُل سے نکل کر
 لمحاتِ تجسّس کے تسلسل سے نکل کر
 تحقیق کی اِس انجمنِ کُل سے نکل کر
 حکمتِ کدہ منکرو تاتل سے نکل کر

عشرتِ کدہ یار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۵)

اسرار کی پھل ہے سرِ کوئے خموشی
 تقریر کی شمشیر ہے ابروئے خموشی
 طغیانِ فصاحت ہے نمِ روئے خموشی
 مدت سے ہوں وابستہ گیموئے خموشی

اب حلقہ گفتار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۶)

اِس بارگہِ علم و حقیقت سے گُزر کر
 اِس ہوشِ رُبا ذہن کی سُت سے گُزر کر
 اِس ولولہ انگیز قناعت سے گُزر کر
 اِس مامنِ اندک کی فرغت سے گُزر کر

پھر محشرِ بیاڑ میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۷)

حکمت نے مجھے لوٹ لیا ، واسے مُقَدَّر
 اکِ عالم ہو ہے دلِ مَرَحُوم کے اندر
 سینے ہی میں دوزخ ہے ، نہ آنکھوں میں سمندر
 داغوں ہی کے سکتے ہیں ، نہ آنکھوں ہی کے گوہر

اب عشق کے بازار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۸)

ہر سانس ہے یاں حکمت و دانش کی علمدار
 ہر گام ہے یاں فکر کی پازیب کی جھنکار
 ہر حرف سے اک لشکرِ معنی ہے نمودار
 نئے نئے خوش گوین ہے اور صحتِ افکار

کئے دل بیمار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۹)

دانش کی محک ہنر کی مقیاس کو ترجیح کر
 تاجِ حکمت کے اس الماس کو ترجیح کر
 اس نکتہ زں و مُعْتَدِلِ احساس کو ترجیح کر
 لُحْنِ قِسم و کُلِّ قِسطِ احساس کو ترجیح کر

صحنِ رَسَن و دارِ میںِ جاؤں کہ نہ جاؤں

۱۰۱

یاں شحمہ سلطان ہے، نہ اندیشہ شبِ خو
 ہر لفظ کے قطرے میں محالِیف کا ہے جیجھول
 ہر آن برستا ہے یہاں بادۂ گلِ گوں
 بحرِ نظر و فکر کی ہر موج ہے افسوں

شہرِ لب و رخسار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۱۱)

مٹ پھیکے اے جوشِ متاعِ سندی سے
 بہتی ہوئی اس حرفِ معانی کی ندی سے
 اس حورِ سلم کی کششِ سُرودِ قدی سے
 اس نظم کی فردوسِ حیاتِ ابدی سے

پھر بزمِ گل و خار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

ظلمت کی تمنا

مُدتوں کے بعد وہ جان بہار

آئی ہے پھر مثلِ ابر کو ہمار

پھر صبا کے دوش پہ ہے جوئے مل

شہر کی رگ میں رواں ہے خونِ گل

تنگ گلیاں - پیچِ خسِم کھاتی ہوئی

پھر ہیں مثلِ زلفِ لہراتی ہوئی

دلِ ربا ہیں پھول، دلِ کشِ خار و خس

تازہ ہیں ذراست، تباہاں ہیں کنس

وَلَوْلَا اَنْ كُوْهِبْتَ اِذْ نَزَّ وَجَدُ وَحَالُ

آئی ہے پھر دل میں فصل بترنگال

کان میں رہ رہ کے پھینچ و سَا

آ رہی ہے دل دھڑکنے کی صدا

جاؤں اس تک؟ یا نہ جاؤں؟ کیا کروں؟

زہرِ غم کھاؤں؟ نہ کھاؤں؟ کیا کروں؟

زہرِ غم؟ اُس سے تو میں ڈرتا نہیں

زہرِ غم تو ہے نہات و انگیس

مجھ کو تو ہے فکر صرف اس بات کی

میکر چہرے پر نہیں اب روشنی

تلخی غم کھا چکی ساری مٹھاس
 رُخ پہ مٹھ خستگی، آنکھیں اُداس
 مَدّتوں سے عارضوں پر ہیں عیاں
 کاروانِ مجر کے گہرے نشاں
 بند ہیں چہرے کے سب ٹوٹے ہوئے
 خال و خط ہیں مج کے رُوٹے ہوئے
 سر میں درد آنکھوں میں حلقے، رنگ نَرْد
 عارضوں پر شکرِ حِدا کی گِرد
 آہ اے ایمانِ جوش، اے جانِ جوش
 اے متلع سَنبل و ریحانِ جوش

دامنِ لطف و مشرت ہوتا منے

آول اب کس مٹھ سے تیرے سامنے

دل ہے سوزِ غم کا جھلسایا ہوا

خال و خط پر ہے دھواں چھپایا ہوا

میکے خرمن کو بلا کر آئی ہے

خاک میں محبو کو بلا کر آئی ہے

کاش اُٹل اور دائی ہو جائے رات

اور ایسی، ہات کو سوجھے نہ ہات

کاش، یہ ظالم ستارے ٹوٹ جائیں

رُونما بجلی کی نبضیں جھپوٹ جائیں

کاش بجھ جائے چراغِ مہر و ماہ

پڑ سکے مجھ پر نہ تاتیرِ مری نگاہ

اور تو پیہرِ نفیسِ عقلِ ناز سے

مجھ کو پہچانے مری آواز سے

اُترا ہوا چہرہ

قطرہ قطرہ کر کے ٹپکے ماہ و سال

اُور یوں حَسَم کر کہ بھیگا بال بال

اور مانندِ بستانِ بزمِ گام

سے گزرا کاروانِ صُبح و شام

اور خاموشی سے وقتِ برقِ پا

مثلِ شبنمِ رُوح میں کھپتا رہا

اور عَزَائِم کے فتنے کی تیلیاں

خون میں کرتی رہیں شبِ دلیلیاں

اور پھر دل کی خوشی کھوتے رہے
 تجربوں پر تجربے ہوتے رہے
 دشمنوں کی بے محابا دشمنی
 دوستوں کا اِدّعا ئے دوستی
 بیکسوں کے درد پر آہ و فغاں
 اور خلوت گاہ میں خود حمیال
 افسرِ بے جا کے جو رہائے بے پناہ
 اغنیاء کی زہریں ڈوبی لگا
 غم کو بدستِ مہیروں کی صدا
 صبح کو بھوکے فقیروں کی صدا

ہمدموں کی تلخ کامی کا ملال
 مفلسی کا دکھ، غلامی کا ملال
 شمعِ محفل پر نظرِ محفل کی فکر
 نفعِ انسانی کے مستقبل کی فکر
 شامِ غربت میں صبرِ رنج و محن
 حلقے پر خنجرِ صبحِ وطن
 موسمِ باراں میں، وقتِ ابر و باد
 دوستانِ رفتہ کی رہ لے کے یاد
 حال کے آلام ، ماضی کے ملال
 دل میں چھالے شیشہِ خاطر میں بال

وادیوں کی یاد، گہساروں کی یاد
 گل رُخوں کی یاد، مہ پاروں کی یاد
 رُوح میں عشق و جوانی کا مراق
 پہلوؤں میں نشتر، حجب و فراق
 روز و شب اک تازہ درد و خلفشا
 جنگ کے اعلان، مرجانے کے تار
 ہمدموں کی موت، دل داروں کی موت
 چاند کی گم گشتگی، ناروں کی موت
 جہنم شہنم، و مکتے بھاڑ میں
 سسِخ آئسو، قہقہوں کی آڑ میں

الغرض مہر آنِ دل جلتا رہا
 کاروانِ زندگی چلتا رہا
 دل بھجوم غم سے گھبراتا رہا
 ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا رہا
 آنسوؤں سے ظرفِ جاں ٹھبتاتا رہا
 کام اپنا دہرِ غم کرتا رہا
 دل، متاعِ سرخوشی کھوتا رہا
 عشوہِ شام و سحر ہوتا رہا
 اور پھر کچھ دن کے بعد اے غمیش
 دیدہ ہائے صبح تھے جب سُرگیں

اَبْرِئِمْ اَرْضَ و سَمَاءَ پَرِیَیْ گِیَا
 اَئِیْنِ وِکِیَا، تَوِیْلُ مَرْحَبَا گِیَا

دریوزہ التفات

الف

ہاں اک نظر خدارا سُوئے سیاہ بختاں

اے تابِ ماہِ وახشم، اے شمعِ طاقِ نورِاں

تہا رکیہ، زمانہ، سونا پڑا ہے پہلو

اے صدرِ بنیمِ خواباں، اے بدیعِ پرخِ ترکاں

ہیں چشمِ وگوشِ ویراں کبے ترے گدا کے

اے خُسر و نکوِیاں، شاہِ شکرِ فروشاں

فرقت میں زندگی کی بینائی کھو گئی ہے

للسداکِ تجسّی، اے رشکِ ماہِ کفِاں

پہلو میں خارِ نسیم ہے سینے میں حبسِ وحشت
 فریاد اے گلِ تر، داد اے نسیمِ بستاں
 برسوں سے چاندنی کو تائیں ترس رہی ہیں
 اے نورِ عتدِ پرویں، اے بنتِ ماہِ تاباں
 پسینے میں پرفشاں ہیں غمہائے تشنہ کامی
 یک معوجِ دلِ ربائی، اے کوثرِ حُناں
 تیرِ نظر کو سد کر اے ابروئے خمیدہ
 اے کعبۂ ہلال و ذریعہ کماںِ فشاں
 سب سے زیادہ شاید شایانِ مرحمت
 یہ جوشِ حُسنِ پرور، یہ شاعرِ شبستاں

درِ یوزہِ التفات

(ب)

رُکنے لگی ہے نبضِ رفتِ ارجاںِ نثاراں

تا کئے یہ تثنیٰ گامی اے میسِ شہزادِاں؟

نوبانِ شہر کیا اترا کے چل رہے ہیں

آ، بوستاں میں درآ، اے فارحِ ککڑاں

ہاں کھول دے یہ زلفیںِ غلطاں ہے جنہیں کبے

تعبیرِ خوابِ سبُلِ تفسیرِ موجِ باراں

آئینہ بیں زخمِ خورده، دل ہے خزاںِ گزیدہ

تکلیفِ یکِ تنہم، اے دولتِ بہاراں

ہاں جوش پر کرم کر، کب سے تڑپ رہا ہے

یہ ماہِ چرخِ رندان، یہ شاہِ بادہِ خواراں

بشارت

مبعی میں یہ سنا ہے کہ ریاکاروں نے
 کر دیا خلق پہ دروازہ خرابات کا بند
 ان فرعت کے حریفوں کی ہے شاید غرض
 کہ نہو چنپ نفس بھی کوئی غمگین خور سند
 مرکبِ ہوش ہے آٹھ پہر ذہنِ بشر
 اس سے بڑھ کر نہیں اللہ کوئی اور گزند
 خشک ہو جائے ہو دنیا تو جہنم بن جائے
 اب کوثر کی قسم، آتشِ ترکِ سوگند

لے یہ نظم مبعی میں استماعِ شراب کے موقع پر کہی گئی تھی۔

تُرک سے کہتے ہیں بن جائے گی دُنیا زردوار

زر سے کیا فائدہ جب زکافنوں حشمہ ہو بند؟

زر کا ہے سجدہ شکرانہ خرد پارٹی مٹے

حیف اِس راز سے واقف نہیں زکے فرزند

کم سے کم اُن کو تو صہبائے نہ روکا ہوتا

جن کے احساس ہیں باریک خیالات بلند

اے عدوئے تری و بن و خشکی و مراب

غرق ہو بادۂ رنگیں میں ترا و نثر پند

غیبِ مے و جہلِ بگفتی ہنسِ نیشِ نیرنگو

لفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عالمے چنند "صافقا"

لیکن اے رنڈ خدایات، نہ ہونا مایوس
 کسی قانون کا مے خانہ نہیں ہے پابند
 کچھ اگر شک ہو تجھے، پوچھ لے امریکہ سے
 قطع ہونے سے پھسکتا ہے یہ پودا وہ چند
 ذوقِ خوا کی قسم، فطرتِ آدم کی قسم
 شاخِ صہبیا پہ کوئی ڈال سکے گا نہ کند
 فرض کر لے کہ خرابات کے دروازے کو
 اگر از بہرِ دلِ زاہد بیویں بستند
 دل قوی دار کہ از بہرِ خُدا بگشایند (حافظ)

فطرتِ اقوام

ظلمِ لانتہا سے تنگ آکر

آدمی چاہتا ہے آزادی

ہو کے آزاد۔ پھونک دیتا ہے

دوسرے بھائیوں کی آبادی

پہلے بنتا ہے دشمنِ جلاؤ

خود ہی پھر سیکھتا ہے جلاؤ

خود کو آباد کر کے یہ جہوان،

ڈال دیتا ہے طہجِ برہادی

پاکے اپنے حقوق - اوروں کے

پھینتا ہے حقوق بنیادی

پہلے تو ظالموں سے ڈرتا ہے

اور پھر خود ہی ظلم کرتا ہے

وعدہ فراموشی

سمجھتا تھا میں تیرے عہدِ وفا میں

پہاڑوں کے مانند ہے استواری

مجھے تجکو پا کر یقین ہو چلا تھا

کہ اب ختم ہے دورِ یاد و زاری

میں یہ راہِ غم میں سمجھنے لگا تھا

کہ اب بخت کی موڑ پر ہے سواری

بٹے گی، مجھے یہ گماں ہو چلا تھا

مری تیرہ بختی، مری سو گواری

میں خوش تھا کہ اب چھوٹ جائیگی مجھے

یہ ذرات بازی، یہ خستہ شکاری

غرض یہ اُمیدیں، غرض یہ اُنہیں

کہ مبنی تھی جن پر مری، کامگاری

جلی اُن پہ، صد حیف، تلوار بن کر

تری کم رسی کی فسادش کاری

مداوا کر اے چارہ ساز مرلیناں

تماشا کر اے عجب آئینہ داری

”تجھے کس تناسل سے ہم دیکھتے ہیں“ (غالب،

سوئی حنّت

ہاں یہی ہے وہ مکاں، وہ جنّتِ دورِ کہن

گل تھا جس کی انجمن میں حُسنِ صدِ انجمن

ہاں یہ پل ہے ریل کا، اور یہ حکمتی پٹریاں

داستانِ دردِ داستانِ داستانِ دردِ داستان

ہاں یہ کھڑکی ہے وہی، اور یہ سلاخیں ہیں وہی

جھانکتی تھی جن سے اُس گھڑے کی میٹھی چاندنی

ہاں یہیں، جب پڑ رہی تھی ایک دن، ہلکی پھوڑ

گر رہا تھا سُرخ زلفوں کا سُنہرا آبتار

چھوڑ ہی ہے دل کو نوکِ خارِ کمِ نجاتِ سائنس
 یہ مکال ہے، یا کوئی چھپتی ہوئی سینے کی پھانسی
 آہ یہ در، جس پر شمعِ زندگی کا نور تھا!
 حیف یہ گھر، جو کلیمِ عصرِ نو کا طور تھا
 آج عبرتناک ہے، بے رُوح ہے، بیہوش ہے
 کل حیات و نعمت تھا۔ اب سُدے خاموش ہے

(۲)

گھر کو اندر سے بھی دیکھوں یا بڑک ہی پر ہوں؟
 خیر، اندر بھی چلوں، فرمانِ دل ہے۔ کیا کروں

اُف یہ سُرخِ کانتاں پہچانتا ہوں میں اِسے
 جانتا ہے یہ مجھے۔ اور جانتا ہوں میں اِسے

.....

.....

ہاں، یہاں آرام کرتی تھی وہ ٹھک جانے کے بعد
 ہاں، یہاں وہ بیٹھتی تھی غسل فرمانے کے بعد
 ہاں، یہاں بدلے تھے بھیجی سے زواہدِ دین
 ہاں، یہاں ٹپکے تھے اُن آنکھوں سے آنسو اِکین
 مسکرا کر اک اُٹلے نو سے دیکھتا یہاں
 کاٹ کر دانتوں سے ماکن پان بختا تھا یہاں

دامنِ جال ہوزنِ سیال سے بیتا تھا میں
 ہاں اسی گوشے میں کشتِ کونیا تھا میں
 وہ کسی کا درسِ ترکِ مئے گساری، ہائے ہائے
 وہ مراہٹس ہٹس کے شعلِ بادِ خوری، ہائے ہائے
 بالِ چھپرے تھا قہقہہ سوزِ نہانی ایک دن
 ادھر بیٹھے تھے جب برساتا پانی ایک دن
 آج بھی محفِظ ہیں سونے در و دیوار میں
 وہ ترانے کل جو غلطاں تھے لبِ گلِ بار میں
 اب بھی جلووں کی شعا عینِ پیشِ و پسِ تابندہ ہیں
 اب بھی ان غُروں میں لاکھوں بجلیاں نغمہ زیں

فترے فترے میں کھٹک محسوس ہوتی ہے یہاں

دل دھڑکنے کی دھمک محسوس ہوتی ہے یہاں

خون کے ذرات اب بھی رقص کرتے ہیں یہاں

کانپتی ہیں دھندلی دھندلی چمپئی پر چھائیاں

ان ہواؤں میں جوانی کی مہک ہے آج بھی

ساحرانہ لہجہ، تڑکانہ لچک ہے آج بھی

جن کے ہر اک نقش میں تھا جاڑہ گلہائے تر

جھہ ہے ہیں آج کانٹے بن کے وہ دیوار و در

خون میں ڈوبا ہوا انسان کا افسانہ ہے

کل جو گھر عشرت سرا تھا، آج نام خانہ ہے

(۳)

کون؟ یہ کیسی صدا؟ کس کی صدا؟ یہ کیا کہنا

بہوش، تنہا جوش، میں تیری اُدا سی پُندا

اُف۔ مراد دلِ شوق ہو جاتا ہے۔ یہ کیا راز ہے؟

یہ میرے دل کی صدا ہے۔ یا تری آواز ہے؟

چھوٹ جالے مرغِ جاں، دمِ نفس سے چھوٹ جا

ٹوٹ جالے رشتہ عمرِ دو روزہ، ٹوٹ جا

.....

.....

اڑ کے خود آ، یا مجھی کو نصیب پرواز دے

کس لئے چپ ہو گئی؟ آواز دے، آواز دے!!

(۱۹۴۴ء)

تَعَاوُب

”مرد ہو، عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

”دل سے بیتے دنوں کی یاد مٹاؤ“

”نہ تو اب خود ہی رو، نہ مج کو رلاؤ“

”تھول جاؤ کہی سنی باتیں“

”نہ تو وہ دن ہیں اب، نہ وہ راتیں“

”اب نہ وہ ٹوڑ ہیں، نہ وہ کلیاں“

”اب نہ وہ پھول ہیں، نہ وہ کلیاں“

”اس جہاں سے گُذر چکی ہوں میں“

اب یہ سمجھو کہ مرچ کی ہوں میں“

”ایک دکھیا کو اب نہ ستاؤ“

”بن پڑے تو مری گلی میں نہ آؤ“

”مرد ہو۔ عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

(۲)

”میسے کانوں میں، میسے سینے میں“

”گو نجی رہتی ہیں یہ، آوازیں“

حسِ طرفِ جاووں، دِلِ ہلاتی ہیں

یہ مے ساتھ ساتھ جاتی ہیں

بادِ جاں بخش سے، بگولوں سے

سخت کانٹوں سے، نرم پھولوں سے

یہ صدائیں برابر آتی ہیں

دِل کا دروازہ کھٹ کھٹاتی ہیں

بھول جاؤ کہی سنی باتیں

”نہ تو وہ دن ہیں اب، نہ وہ راتیں“

”مرد ہو۔ عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

تنگ آکر جدھر بھی جاتا ہوں

ان صداؤں کو ساتھ پاتا ہوں

صحن گیتی سے، ادرج گردوں سے

تابِ انجسَم سے آبِ جیحول سے

بحرِ متواج کے جباہوں سے

حکمت و شعر کی کتابوں سے

شورشوں، غلغلوں، دھماکوں سے

تیز روگاڑیوں کے پہیوں سے

شعر گوئی سے، شعر خوانی سے

ہر حقیقت سے، ہر کہانی سے

چوڑی سڑکوں سے، تنگ گلیوں سے
 بستی شاخوں سے کھلتی کلیوں سے
 شورِ جلوت، سکوتِ خلوت سے
 جنبشِ ضو، جمودِ ظلمت سے
 معبودوں سے، شرابِ خانوں سے
 مُطربِ خوش نوا کی تانوں سے
 لُؤے غنبر سے، بادِ صرصر سے
 رُوءِ خواباں سے، رنگِ مرمر سے
 قصرِ منعم سے، قبرِ مفلس سے
 پائے طاؤس و چشمِ زرگس سے

جانِ گوہر سے، رُوحِ نسزین سے
 موجِ سنبُل سے، اوجِ پریں سے
 باغ سے، مدر سے، جنگل سے
 تپتے سورج، برستے بادل سے
 یہ صدائیں برابر آتی ہیں !!!
 دل کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں
 بھول جاؤ کہی سنی باتیں
 ”نہ تو وہ دن ہیں اب، نہ وہ راتیں“
 ”ایک دکھیا کو اور اب نہ سناؤ“
 ”بُن پڑے تو مری گلی میں نہ آؤ“

”اب جہاں سے گُذر چکی ہوں میں“

”نم یہ سمجھو کہ مرچ کی ہوں میں“

”مرد ہو، عشق سے جہاں کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

۱۹۴۴ء

تقلید و تحقیق

افسوں ذات ، اور افسانہ صفات

بالا نہ ہے اس سے مرقہ قلندر کی کائنات

حقی کہ صاحبانِ روایت کے دین سے

پاکیزہ تر ہیں اہلِ درایت کے کفریات

کیوں کر یقین دلائیے اربابِ عشق کو
 { مبنی ہے صرف عقل پر انسان کی نجات }

آیاتِ بنیات میں ظلمت کی چھاؤں میں

ظلمت کے زیر سایہ ہیں آیاتِ بنیات

ایوانِ فکر کے خس و خاشاک کے حضور

بے آبرو ہیں دیرِ حرم کے تہنکات

ہو جائے گازمین پہ درِ آسمان کا بند

کھل جائیں گے عقول پہ جب از کائنات

زہ کر چکے ہیں اہل بصیرت کمانِ عقل

ہشیار آشیانے سے مرغِ الہیت

صد ہفتِ سداون کے گراں محکمت پر

بھاری ہیں جوشِ ایک محقق کے ظنیات

(۱۹۲۲ء)

ہاں یاد کر سحر!

ہاں یاد کر سحر، وہ صبا کی عنایتیں

مہکی وہ کاکلیں، وہ ہسکتی روایتیں

شیریں لبوں میں حرف و حکایت کے قلولے

نیچی نظر میں عشق و جوانی کی غایتیں

زلفوں کی وہ نسیم سے برہم کہانیاں

پلیکوں کی وہ خم سے بوجھل حکایتیں

آنکھوں پہ کیسوؤں سے بستے وہ ہوتاں

کانوں پہ لعل لب سے اترتی وہ آیتیں

ناشتہ سُرخ کے سُرخ دھندلکے میں جوش ہے

پچھلے پہر وہ شکر سے بہت شکایتیں

لے مَن، کاہے تو گھبرائے؟
(۱۹۴۳ء)

(۱)

وہ بھوٹا ہی ہے، پو پیارے

وہ کانپ ہی ہے، پو پیارے

دیکھ وہ جل تھل سب مسکائے

لے مَن، کاہے تو گھبرائے؟

(۲)

انگڑائی لے کر، لہرا کر

وہ بھور پری نے مسکا کر،

اپنے جھکے، لے، جھمکائے

لے مَن، کاہے، تو گھبرائے؟

(۳)

پھیلی سُنہری دھوپ ندی پر

مچلا رنگ اور رُوپ ندی پر

بھاگے، رین کے بھاگے سائے

اے مَن، کاہے تُو گھبرائے؟

(۴)

گھبرا کر بَن میں . لولا مور!

تَن دہکا ، مَن سے اٹھا شور

جول ساون ندیا لہرائے

اے مَن، کاہے تُو گھبرائے؟

(۶)

دیکھ تو سر پر تاشے بجتے
 گاتے گھرتے گھوم گر بختے
 کارے کارے باؤر چھائے
 اے من کا ہے تو گھبرائے

(۷)

آئی وہ گاتی باؤ بہاری
 ہلتی ہیں سیلیں ڈاری ڈاری
 جس پانی جوڑا کھل کھل جائے
 اے من کا ہے تو گھبرائے

(۸)

کشٹ بچن مت بول ری پیاری

گھونگھٹ کے پٹ کھول ری پیاری

آئے وہ تیرے سا جن آئے

اے مَن کا ہے تُو گھبرا ئے؛

کا ہے تُو گھبرا ئے؛

اے مَن، کا ہے تُو گھبرا ئے؛

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

(۱)

قیمت کی رنگینیاں ہیں خِلا میں
نئے آرزوؤں بچ رہے ہیں ہوا میں
فناؤں کا آفتوں ہے ارض و سما میں
ترنم ہے سارنگیوں کا صبا میں

گلابی کو جھمکا، گلابی گھٹا میں

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

(۲)

جواں ہیں ہوا میں، جوانی کی لئے سے

مُعْطَرِے اَرْض و سَمَا بُوئے مئے سے

گھٹاؤں میں ہیں پیچ و خم کیسے کیسے

فضاؤں میں بلچل کچھ ایسی ہے، جیسے

تڑپتا ہے دل، عشق کی ابتدا میں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۳)

نہ غم کی حکومت ، نہ ماتم کا سایہ
 طرب سے دکھتا ہے گیتی کا مکھڑا
 تنکلم ، تبسم ، ترنم ہے دنیا
 خوشی سے ہے غم اس طرح دنگ گویا

خدا - خلقہ مُنکرانِ خدا میں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۴)

عَلَم شادِ ملی کا لہرار ہے

غزل خوان و رقاصِ مُخندال ہوا ہے

بہکتی، چمکتی، مہکتی فضا ہے

پہاڑوں کے دامن میں کالی گٹھا ہے

کہ قدرت ہے بول و بائے عبا میں

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

(۵)

گر جتنی گھٹاؤں کے سانچے میں ڈھل کر
 تَلاطم سے تمکین کا سر کچل کر
 ریاضتِ زندگی سے نیکل کر
 گذاریں خدایات میں آؤ چل کر

یہ رنگین صبحیں ، یہ رنگین شاہیں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۶)

چلو دستِ ہستی میں پھر آغمنوں دیں

تب و تابِ افسانہ، رنگِ فنوں دیں

نقیبِ خرد کو نویدِ جنوں دیں

ہواؤں میں رقصال ہیں یوں رس کی بوندیں

دھڑکتا ہے دل، جوش، جیسے دُعا میں

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

زندگی کے دو رخ

(۱)

دل کی ہوتی تھی گاہ مہمانی

گاہ دل صرنا میس زبانی تھا

وقت کی گل و شمشاد شاخوں پر

مرغ جالِ محوِ نغمہ خوانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۲)

سرگیتی نظمِ لالہ وگل

نیرِ منشاے نو جوانی تھا

سرگردوں خیرِ لیل و نہا

حبِ ایلئے شادمانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۳)

مہر، ملّاح کا تھا اک قصّہ

ماہ بستی کی اک کہانی تھا

قہقہوں کی کمان تھی گلزنک

چہچہوں کا لباس دھانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۴)

اور اب تلخینوں کی یُورِش سے
 سینہ کوبی ہے، سرگرائی ہے
 کل تھی پانی میں رُوحِ آبِ حیات
 آج آبِ حیاتِ پانی ہے

یہ بھی اک خوابِ زندگانی ہے

(۵)

کل تھا دل، پائے تختِ تابانی
 آج ظلمت کی ساج دھانی ہے

کل تھا دورِ حیات چڑھتی دھوپ
 آج کھلتی ہوئی کمانی ہے

یہ بھی اک خوابِ زندگانی ہے

(۶)

کل تھی چپے کر پہ زرفشاں سُرخِ
 رنگِ سُخِ آج آءِ عَوانی ہے
 کل میسر تھی خاتمِ عشرت
 آج اک دِراغِ ولِ نشانی ہے

یہ بھی اک خوابِ زندگانی ہے

اے رحمتِ یزداں

ہر صبحِ وطن میں ہے نہاں شامِ غریباں
ہر خندہ پیدا میں ہے اک گریہِ پنہاں

ہر کاوشِ درماں میں ہے اک دردِ کاغذِ نواں
ہر نیند میں ہے فتنہٴ سد خوابِ پریشاں

_____ اے رحمتِ یزداں!

کیا رحمتِ عالم ہے اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

(۲)

یہ اس کا خریدار ہے، وہ اس پہ فدا ہے

یہ اس سے بہت دُور ہے، وہ اس کے جُل ہے

ہو قُرب بھی حاصل تو تعاقب میں قصا ہے

ہر وصل میں بلچل ہے، تو نہ عجب میں طوفان

اے رحمتِ یزدان! —————

کیا حُمتِ عام ہے اے رحمتِ یزدان!

اے رحمتِ یزدان!

اے رحمتِ یزدان!

(۳)

اَرمان کے جادے میں نہیں ہے کوئی منزل

بے آب ہے، بے رنگ ہے ہر دولتِ حاصل

بے قدر ہے، اِلا کہ میں جو شے بھی شامل

اِشدری لبِ شنگی فطرتِ انساں

_____ اے رحمتِ یزداں!

کیا رحمتِ عام ہے اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

(۴)

ہر سعی کے آغاز میں ہے درودِ مصیبت

ہر کام کے انجام میں ہے خفّت و حسرت

ہر شب کو ہے پیغمبرِ نبیؐ نالہ کلفت

ہر صبح کو ہے داؤدِ نبیؐ دیدہ گریاں !

_____ اے رحمتِ یزداں !

کیا رحمتِ عام ہے اے رحمتِ یزداں !

اے رحمتِ یزداں !

اے رحمتِ یزداں !

یہ امیروں کے مصاحب

یہ امیروں کے مصاحب، یہ سلاطین کے ندیم

جن کے دل رہتے ہیں آقاؤں کی بیٹی سے دویم

دل تو دل، شام و سحر، جن کے دھڑکتے ہیں دماغ

اپنی عزت کے لہو سے جو جلاتے ہیں چراغ

جن کے دل، اندیشہ فردا سے لہتے ہیں فگار

جن کی راتیں، خوابِ شیریں سے نہیں ہوتیں دوچا

یتیم بن کر جن کے دل کو حسبِ آئین کہن

کاٹتی رہتی ہے آقاؤں کے ماتھے کی شکن

آئے دن آتی ہیں جن کی بستیوں میں آندھیاں

شاخِ نخل برق پر رہتا ہے جن کا آشیان

کانپ اٹھتے ہیں، جو سنتے ہیں کوئی ہے؟ کا دہل

بولتے ہیں زیر لب، چلتے ہیں جو پنچوں کے بل

جن پہ واجب، خاص خدمت گار کا بھی احترام

جو محل کی مہبت لانی تک کو کرتے ہیں سلام

تسکنت رہتی ہے جن کی، زلزلوں کے دوش پر

جن کے سر کا مستقر سرکار کی پاپوش پہ

رہتی ہیں نظریں جو کل کی بھوک کے امکان پر

سوچتے رہتے ہیں آفت اُمس کے دُستر خوان پر

زہر سینوں میں رہا کرتا ہے ہنٹوں پر نبات
 کھل کے آپس میں بھی کہہ سکتے نہیں جو دل کی بات
 بزمِ رقص و رنگ میں بھی جن کو رکھتا ہے بڑھال
 دو گھڑی میں نوکری کے چھوٹ سکنے کا خیال
 پانہیں سکتا کوئی جن کی دُعا سے نجات
 تہمت و غیبت ہے جن کے دین میں صوم و صلوٰۃ
 جن کی بٹتی ہی نہیں عیبِ حریفان سے نگاہ
 جن میں سے ہر فرد ہے اک دوسرے کا مرگ خواہ
 جو ہیں گویا چھپلینیاں تالاب میں ڈوبی ہوئی
 تہ سے ابھریں تو ہے باقی نہ جن میں بوند بھی

چین سے پل بھر بھی جن کو بیٹھنے دیتا نہیں
 اپنی وحشت آفریں ناقابلِ یست کا یقین
 عالموں کا فضل جن کے حق میں ہے خوفِ گزند
 عاقلوں کی باریابی جو نہیں کرتے پسند
 جن کے ہونٹوں پر دُعا رہتی ہے - یافتاح باب
 کوئی دانا قصر میں ہونے نہ پائے باریاب
 لہج کھاتی جن کی کمر میں، اور بھپٹکتی بوٹیل
 مسخرے پن کی ملا کرتی ہیں جن کو روٹیاں
 گھورتے رہتے ہیں یوں آقا کو جو شام و پگاہ
 جس طرح قصاب پرہتی ہے کتوں کی نگاہ

گاؤں کی کوڑھی تنبؤلن کے سڑے پڑے ہیں یہ
 شہزیلوں کی تشکل میں طاعون کے کیرے ہیں یہ

آزردگی بے سبب

یہ یادگار دعوتِ ڈیٹاٹل، بجائے صوفی و خوارشت شعری کہ منکام اکل ڈیٹاٹل معروف شرب بود

حضرۃ جوشِ آپ یہ اس وقت

شاہ صاحب سے کیوں ہیں آزرده

میرے نزدیک تو جناب کا دل

اک غلط بات پر ہے پڑمردہ

یہ جن بے دلی، یہ دیو غضب

عرفِ حضرۃ ہی کا ہے آئندہ

حیث مابین میکش و مے نوش

چھڑ گئی بحشتِ زندہ و مردہ

لہ ڈیٹاٹل کلکٹر نے آگرے کے ایک صوفی دوست

شاعروں کو نہ حاکموں سے گھٹائیں

صوفیوں کا نہیں یہ دل گردہ

کس لئے یہ بچا کھچا کھانا

آپ کو کر رہا ہے افسردہ ؟

جب مئے ناب پنی ہے تو بخوشی

کھائیے ڈیٹیوں کا پس خوردہ

(۱۹۲۲ء)

سفاکِ رحم

فرق پر ہے لو اے جذبہ رحم

عشق ہے اب غذا اے جذبہ رحم

کاش اُس دل میں اب بھی اگلا سا

اُنس ہوتا بجائے جذبہ رحم

اُس نظر میں بجائے سوزِ نہال

اب غلطیدہ اے جذبہ رحم

کل تھی وہ ملتفتِ محکمِ خلوص

آج ہے بر بنائے جذبہ رحم

عہدِ پیشین کی سمت اُس دل کو

موڑ دے اے خدائے جذبہِ رحم

(۹۲۴ء)

اے دل

مہر ہے کچھ، نہ ماہ ہے نہ دل

سب فریبِ نگاہ ہے اے دل

نہ ترخم ہے مستقل نہ سرو

مستقل ہے تو آہ ہے اے دل

ہر گھر، اشکِ غم ہے دنیا میں

ہر کلی، برگِ کاہ ہے اے دل

ہر گُلستاں پہ ہے نگاہِ خزاں

ہر یقین، اشتباہ ہے اے دل

زندہ رہنا ہے اک خطائے عظیم
 سانس لینا گناہ ہے اے دل
 زندگی نسیح و عمرِ خضر
 زحمت یک نگاہ ہے اے دل
 اب کھلا یہ کہ محفلِ درماں
 درد کی بارگاہ ہے اے دل
 تیزگی ہی پہ کچھ نہیں موقوف
 روشنی بھی سیاہ ہے اے دل

(۱۹۴۴ء)

آخری تمنا

اب تمنا نہیں سینے سے لگانے کی تجھے

اپنے دکھتے ہوئے پہلو میں بٹھانے کی تجھے

اب نہ وہ شوق ہے مہکے ہوئے بُستانوں کا

اب نہ وہ رقص ہے دکھے ہوئے ارمانوں کا

اب نہ وہ چاندنی راتوں کا ہے غوغا دل میں

اب نہ وہ قوسِ قزح کی ہے تمنا دل میں

اب تھکے دل میں وہ ہلچل نہیں ارمانوں کی

سانس رکتی تھی جسے دیکھ کے طوفانوں کی

اب نہ وہ دل، نہ وہ سن کہ بہ آہنگِ باب

ساحلِ بحرِ رقصان و غزلخواں ہونِ شباب

دل کہ تھاراہِ دف و چنگ دکھانے والا

وہ ہر اک گام پر سُرخِشن منانے والا

جس کے دم سے تھی چمکِ نوح کے آئینے میں

دفن ہے اب وہ بہتِ دن سے مرے سینے میں

اب تو جب پہلے پہر بادِ صبا آتی ہے

کان میں موت کے قدموں کی صدا آتی ہے

اب تو صرف اتنی تمنا ہے کہ اے بنتِ بہا

دیکھ لوں ہوش میں جی بھر کے تجھے پھر اک بار

اب نہیں شوق کہ پہلو میں بٹھاؤں تجھ کو
 بھینچ کر خوب کھجے سے لگاؤں تجھ کو
 پر تو بادہ سے ہر چھپول کو انگارہ کر دوں
 ہار گردن میں تری ڈال کے نظارہ کر دوں
 یوں تو آغوشِ تنہا کا سدا خالی ہے
 نزعِ انساں کی یہ آباؤی زبوں حالی ہے
 مَرتے مَرتے بھی نکلتے نہیں دل کے ارماں
 اسی بُحران میں مرجھاتا ہے آخر انساں
 پھر بھی۔ ہر چہ کہ ہر آن تھی صد بخوری
 میری لاکھوں ہی تمنائیں ہوئی ہیں پوری

کتنے جلوے ہیں مے قلب کے آئینے میں

کس قدر چاندنی راتیں ہیں مے سینے میں

تھیں کبھی تیرے تہنم سے ہوسٹ مَطْلُوع

اب بھی ہوتی ہیں وہ صبحیں مے سینے میں مَطْلُوع

شکوہ ہر چند نہیں دہر کا جو بھردل میں

پھر بھی اک پھانس کھسکتی ہے برابر دل میں

اور وہ پھانس ہے اک حسرتِ آخرِ احوال

دین کا جس میں خسارہ ہے، نہ دنیا کا زباں

یعنی ماضی کی طرف ایک اشارہ کر لوں

آ کہ جی بھر کے پھر اک بار لفظ ارا کر لوں

تُو اگر صورتِ زیبا نہیں دکھلائے گی

یہ غلط ہے کہ مجھے موت نہیں آئے گی

ہاں مگر سانسِ مے حلق میں اٹکنے کی ضرور

پھانسِ اراں کی بُری چیز ہے کھٹکے کی ضرور

بس یہ حسرت ہے کہ یہ پھانس نہ کھٹکے اے جاں

آخری دقتِ مری رُوح نہ بھٹکے اے جاں

تازہ بیتے ہوئے لمحوں کو دوبارہ کر لوں

آ کہ پھر دھوم سے اک بار نظارہ کر لوں

(۱۹۳۴ء)

ہولناک تبدیلی

ایک زمینہ ہے۔ ادھر میرا مکاں ہے، اور ادھر

کچھ دنوں سے آ کے ٹھہرا ہے کوئی شخص دگر

رات کو زینے سے آئی نرم سیٹی کی صدا

سن کے اُس سیٹی کو میری زندگی نے یوں کہا

تجھ سے ملنے کو کبھی یہ شخص آسکتا نہیں

اب یہاں ذوقِ جوانی بار پاسکتا نہیں

اب تو آئیں گے یہاں لے دے کم آرا بکیم

نرو چہروں پر صحت کا لئے بارِ عظیم

مصنف کے ہاتھ کا نام۔ جو ۱۹۳۵ء میں دہلی سے جاری اور ۱۹۳۵ء میں پنج آباد جا کر بند کر دیا گیا تھا۔

مطہج و منبہر کی لاکھوں جھڑکیاں کھائے ہوئے

کاتبوں کے وعدہ فردا سے گھبرائے ہوئے

جادو آسودگی و امن سے بھٹکے ہوئے

زاہدوں کے دامنوں کی طرح منہ لٹکے ہوئے

آئے گی جن کے شکن آلود ماتھوں سے سدا

کاغذی ہمہ گیر بن ہر پیکر تصویر کا

خانہ ویراں میں آبادی کی وہ شانیں کہاں

میسے گرد و پیش اب سیٹی کہاں تانیں کہاں

جوش سا انسان، فکروں سے کچل کر رہ گیا

ہائے کیا مے خانہ، دفتر میں بدل کر رہ گیا

اے وائے آدمی

(۱۹۴۲ء)

(۱)

خوشیاں منانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 آنسو بہانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اور مسکرانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 دنیا میں آنے پر بھی ہے مجبور آدمی

دُیا سے جانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۲)

کیا بات آدمی کی کہوں تجھ سے ہم نشیں
 اس ناتواں کے قبضہ قدرت میں کچھ نہیں
 رہتا ہے گاہِ حجبِ رُءِ اعزاز میں کمیں
 پر زندگی اُٹھتی ہے جس وقت آستیں

غزت گنوا نے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۳)

انسان کو ہوس ہے بیجے صورتِ خضر
 ایسا کوئی جتن ہو کہ بن جلیے امر
 تار و زحشر، موت نہ پھٹکے ادھر ادھر
 پر زلیست جب بدلتی ہے کروٹ کراہ کر

تو سر کٹانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے فاسے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و زنجور آدمی
 اے واسے آدمی

(۴)

انسان بحرِ صدق ہے، سرِ خشمِ مصفا

انسانِ حق پرست ہے، حق میں، حق آشنا

انسانِ راست باز ہے، انساں ہے بے ریا

پر اس کو آنے لگتا ہے جب جھوٹ میں مزا

زیٹیں اڑانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے والے آدمی

مجبور، دل شکستہ و رنجور آدمی

اے والے آدمی

(۵)

انساں، معاہلت میں بھی ہے معدلت پناہ

ہر عذر لنگ اس کی شریعت میں ہے گناہ

رکھتا ہے خوش معاہلتی ہی سے رسم و راہ

لیکن جب آکے آنکھ دکھاتا ہے قرضخواہ

جیلے بہانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

۶

انساں ہے جو دُورِ نزل و فَناعت کی کائنات
 لالچ کو اور ہوس کو سمجھتا ہے دُورِ ذات
 اور مارتا ہے دولتِ فارون پر بھی لات
 لیکن لگاڑتا ہے مُقدّر جب اُس کی بات

جو تے چرلے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۷)

دل کو بہت ہے شے ہٹانے کی آرزو
 ہر صبح و شام جشن منانے کی آرزو
 گمانے کی اور ڈھول بجانے کی آرزو
 پینے کی آرزو ہے پلانے کی آرزو

اور زہر کھانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و زنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۸)

ہر دل میں ہے نشاط و مسرت کی تشگی
 دیکھو جسے وہ چیخ رہا ہے "خوشی بخوشی"
 اس کار کا فتنہ میں لیکن کبھی کبھی
 فرزندِ نوجوان و عسروس جمیل کی

میت اٹھانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبورِ دلِ سکشہ و زنجورِ آدمی
 اے وائے آدمی

(۹)

ہر دل کا حکم ہے کہ رفاقت کا دم بھرو

احسب اکو ہنساؤ میاں آپ بھی ہنسو

چھوٹے نہ دوستی کا تعلق جو ہو سو ہو

لیکن ذرا سی دیر میں یارانِ خاص کو

ٹھوکر لگانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۰)

نکلتی بھی بیٹھ جائے کبھی نال پر اگر
 غیرت سے ہلنے لگتا ہے مردانگی کا سر
 عزت پہ حرف آئے تو دیتا ہے بڑھکے سر
 اور گاہ روز غیر کے بستر پہ رات بھر

جو روستا نے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ ورنہ مجبور آدمی
 اے وائے آدمی

(۱۱)

رہتا ہے عطر و عود میں کیا کیا بباہوا
 پھرتا ہے زنگِ نرگس و نسرتیں سے کھیلتا
 رکھتا ہے بوئے زلفِ دوتا سے معاملہ
 پر مفلسی و باقی ہے جب آن کرگلا،

گھر گھر کمانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۱۴)

جب عشق دیکھتا ہے کسی خوش خرام کو
 چپتا ہے صبحِ شام اُسی بت کے نام کو
 جی چاہتا ہے جیسے ہر شب سلام کو
 اُن بن اگر ہوئی تو اُسی لالہ نام کو

ٹھینکا دکھانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۵)

خوددار و خود شناس و خود آگاہ ہے بشر

سنجیدہ و متین و خوش آداب و خوش گہر

پر دل میں احتیاج کا بھتا ہے جب گھر

تو سرِ بلا ہلا کے طوائف کی لپٹ پر

طلبہ بچانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و زخمور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۹۳۲ء)

مرگِ نو

برسوں کے بعد آج یہ دل جاگ اٹھا ہے کیوں

سینے میں ایک طرف تلامُ بیپا ہے کیوں

نُصرت کے وقت آج جھجک کیوں تھی اس قدر؟

کیوں بدل مڑ گئی وہ مرا بات چھوڑ کر؟

آنکھوں میں رُس، نہ تیغِ نِسْم میں کاٹ تھا

الفاظ بے ضرورت تھے، لہجہ سپاٹ تھا

موجِ نفس میں آنچ نہ تھی سوز و ساز کی

رُخ پر تھی جھلِ لائی ہوئی لونیاں کی

انخفائے رازِ عشق کا تھا کیا یہ اہتمام؟
 یا ہے قریبِ ختمِ جوانی کا عشقِ خام؟
 دل میں مرے اک آنچ سی لیتی ہے کروٹیں
 ناگن سی ایک رنگ ہی ہے دماغ میں
 اس سے توجوشِ اس امر پہ پڑتی ہے روشنی
 یعنی سمجھ رہا تھا میں جس شے کو دل لگی
 دل کو چھپی خراش تھی، وہ دل لگی نہ تھی
 اک تازہ درد کی تھی چمک، چاندنی نہ تھی
 سمجھا رہا ہوں دل کو، مگر مانتا نہیں
 یہ سوءِ ظن تو عشق میں ہوتا ہے ہم نشیں!

دل غالباً دوبارہ گرفتار ہو گیا
 بیٹھے بٹھائے پھر وہی آزاد ہو گیا

(۱۹۳۰ء)

عروسِ البلادِ معلیٰ

الامبیٹی خلدِ نوعِ بشر

نہیں تجھ میں ممنوع کوئی شجر

بہرِ سمت طغیانِ نظارہ

بہرِ گوشہ صد شوخِ مہ پارہ

بہرِ قطرہ گردِ آبِ حُسن و شب

بہرِ ذرہ رقصندہ صد آفتاب

بہرِ بوستانِ بانہرِ اراںِ فروش

خراہاں نگارانِ گیسو بدوش

بہر گوشہ چشم، مے خانہ

بہر لغزشِ پائے، افسانہ

(۱۹۴۴ء)

مَـرَـاب

مری نظرِ بیشتر تھی جب تک

شباب کے بہرہ ور تھی جب تک

مری جبین تھی گلاب جب تک

مرا لہو تھا شراب جب تک

شکفتہ تھی رسم و راہ تیری

مری طرف تھی نگاہ تیری

زباں پر ساز کی کھنک تھی

نگاہ میں سوز کی جھلک تھی

یہ منتیں تھیں کہ بس جلا لو
 کنیز اپنی مجھے بنا لو
 ہمیشہ آنکھوں پر آتیں تھی
 مے قدم پر تری جیس تھی
 اور اب مجھے جانتی نہیں ہے
 غضب ہے، پہچانتی نہیں ہے
 تری نظر، اب نظر نہیں ہے
 نظر میں برق و شر نہیں ہے
 فقط سن و سال پرند اٹھی؟
 مے خط و خال پرند اٹھی؟

جو عاشقی کی حلیت پھرت تھی
 مگر وہ اک شانِ جنسیت تھی
 یہ ہیں فقط شاعری کی باتیں
 یہ ہیں فقط صوفیوں کی زیٹیں
 کہ عشق ہے رُوح بے کرانی
 کہ عشق ہے جنسِ آسمانی
 مگر یہ اب پول کھل چکا ہے
 کہ عشق ہیجانِ جسم کا ہے
 نہ عشق اعلیٰ، نہ عشقِ احسن
 فقط آلِ اعصاب کی ہے نمٹین

نہ اب دوبارہ جوان ہوں گا

نہ اب تیرا میہمان ہوں گا

کہ سنِ بختِ سمیپِ بری کا

مزار ہے رُوحِ عاشقی کا

شباب یہ داغ دے گیا ہے

تجھے بھی ہمراہ لے گیا ہے

مگر وہ دُنیا نہیں رہی ہے

مجھے بھی پروا نہیں رہی ہے

(۱۹۳۸ء)

عورت

کرم آشنا ہے کہ سفاک ہے

بہر رنگ عورت خطرناک ہے

اگر جو رپرور ہے اوڑھن دھو

بہاتی ہے اہل نظر کا لہو

اگر مہرباں ہے تو اے ہم نشیں

فنا کر کے مرنے بھی دیتی نہیں

جو بھاگیگا اس سے اماں پائیگا

نہ بھاگا تو کم بخت پھٹائے گا

(۱۹۳۴ء)

یاد کر

یاد کرو وہ دورِ گلِ اے آفتِ جاں یاد کر

اپنا دامن یاد کر ہمیں اگرِ بیاں یاد کر

جس کے ساغرِ زلفِ شاں تھے جس کے ساحلِ گلِ فروش

وہ شبِ مہتاب و روزِ ابر و باران یاد کر

جن کے جھونکوں سے لچکتی تھی اُننگوں کی کر

ابتدا ئے عاشقی کے وہ گلستاں یاد کر

جس کی ضو سے جگمگاتا تھا شبنمِ مراد

چاندنی میں اپنے ماتھے کی وہ افشان یاد کر

(۱۹۳۲ء)

کُشود کار

پھر کھلا جوشِ بابِ گفت و شنود

پھر جوئے مُستِ ساجد و مُسجود

گاہِ محمود وہ ہیں ، میں ہوں آیاز

گاہ وہ ہیں آیاز ، میں محمود

ہر روشِ پرہے جوئے باغِ اُم

ہر قدمِ پرہے جوئے عنبر و عود

ہر نفسِ میں ہے موجِ سدِ کوثر

ہر سخنِ میں ہے لحنِ سدِ داؤد

(۱۹۲۸ء)

اہلِ طبعِ آبادی سے

اپنے آبائی مکاں میں کل ہو امیر اگر

دل مرا اس طرح دھڑکا، کانپ اٹھے باؤ

آہ وہ چو کھٹ بھجھکاتی تھی جہاں دُنیا جیس،

آج اُس میں نام کو بھی منزلت باقی نہیں

آہ والوان، تھابو سجدہ کا خاص دعام

آج ہیں افسردہ و آزدہ اُس کے سقف و مِ

مرکزِ جبروت تھی جو بارگاہِ بے مثال

آج اُس میں سازِ شوکت ہے نہ سامانِ جلال

حیف کل اک دیدہ بنیا تھا ہر گوشہ جہاں

آج آنکھیں بند ہیں ایک ایک فترے کی وہاں

انجمنِ مہی رات کے ہنگام شاد و تابناک

صبح کو دیکھا تو شمعیں نہ پروانوں کی خاک

اے عزیزانِ گرامی، اے رفیقانِ وطن

گھات میں اب آپ کی ہے سازشِ چرخِ کھن

گل کھلانے ہی پہ ہے غفلتِ شعاری آپ کی

کل تو تھی باری ہماری، اب بے باری آپ کی

(۱۹۳۰ء)

اربابِ ادب! ہوشیار

معاشرانِ طرب خانۂ ادب ہوشیار

کہ آسمان نے پھر مشقِ ظلم جاری کی،

بساطِ اٹھاؤ بھی اے ماہرانِ شیشہ گری

کہ پھر گرج ہے گھٹاؤں میں سنگِ باری کی

سنبھل کے سانس لو اے لبتگانِ صبحِ نشاط

کہ بُو ہواؤں میں ہے شامِ سو گواہی کی

بچاؤ موت سے لیلائے خامِ کاری کو

کہ پڑ رہی ہے بناءِ ذوقِ نختہ کاری کی

(۱۹۳۰ء)

چہرہ افسرخیت

کل بارگہ ناز میں نے یہ کیا عرض

بہل، طلبِ گل میں ہے اک عمر سے مضطر

پر کیا یہ غضب ہے کہ کسی دُور میں اب تک

بہل کے ترانوں سے پیچھا نہ کُل تر

یہ سُنتے ہی پیدا ہوئی رُخسار پہ سُرخ

کچھ شرم کے انداز، تو کچھ غیظ کے تیور

رُخسار کی سُرخ ہوئی پھر دُھوپ میں تبدیل

وہ دُھوپ چمکتی ہے جوتلی کے پروں پر

۱۹۳۰ء

ایک بے چین رات

ظلمتوں کا دبدبہ، بھگی ہوئی تاریک رات

بدلیاں اُڑتی ہوئی، اُڑتا ہوا رنگِ حیات

پُرودہ تکبیس میں اک ناقابلِ فہم اضطراب

میں غمِ خلعت میں پُراسرار یادِ مہمتِ با

دل پر اک ناتواں تغیرِ بے معنی سا ہمار

ساعتِ بے عہد و پیمیاں، لمحہ بے انتظار

شمعِ کُشتہ کے دھوئیں سوزِ بازوؤں پہ سچ و تاب

مطلعِ جاں پر ابھرتا سا اہلالِ اضطراب

عشق کی ماری جوانی کو سلانے کے لئے

کروٹوں پر کر دیں وہ پیند آنے کے لئے

کروٹوں میں پریشان سوزِ محبت کے شر

جیسے کرنوں کی چمک تیغِ دودم کی دھار پر

(۲۶ فروری ۱۹۲۲ء)

محبت کی زبان

لہاں اے ہم نشیں، اُہوت کا بھی پیچ و تاب
دفعۂ جب کوئی آتا ہے برنگِ ہ نقاب

لجھ انوکھے سے نظر آتے ہیں اسبابِ حیات
دل کے سنائے میں کھو جاتی ہے ساری کائنات
ذالیتی ہے پیرِ فقر کے عقلِ نچتہ کار

عجز میں تبدیل ہو جاتا ہے دانش کا وقار
نطق کے ترکش میں ملتا ہی نہیں ہے کوئی تیر

بہترین الفاظ ہو جاتے ہیں نظروں میں حقیر

بند ہو جاتا ہے دروازہ زباں کا کانپ، کر

خال و خط میں دل کی گویائی کا کھل جاتا ہے د

پھر تو اُن نظروں میں سوزِ عشق کرتا ہے خطاب

جن میں ہوتا ہے تپاں شوقِ کرمِ خوفِ عتاب

وہ جنوں پرورِ خموشی حال کرتی ہے بیاں

گفتگو کی آرزو بھرتی ہے جس میں بسکیاں

زنگِ سَخ کو بختِ تباہے لُطْف و قَلْبِ دو نیم

کا پتار ہوتا ہے جس پر سایہ اُمید و بیم

اُن لبوں کی خشکیوں میں شوق کرتا ہے کلام

جن میں پیہم کر د میں لیتا ہے ذوقِ تشنہ کام

وَلَوَ لے اُس آتش پہاں کو دیتے میں ہوا

رُخ پہ جن کی لو، پہنتی ہے لباس الفاظ کا

اُس تبسم کی زباں میں عشق کرتا ہے سَخُن،

جس کے تابندہ ورق پر غم کی ہوتی ہر شکن

چھڑتی ہے پھر مسلسل شک باری داستان

ختم ہو جاتی ہے یوں اک پل میں ساری داستان

۱۹۴۴ء

کارل مارکس

السلام اے مارکس، اے دانائے راز

اے مریض انسانیت کے چاروے

نخل خوشحالی کی نیخ و بن ہے تو

عقدائے زلیست کا ناخن ہے تو

تجھ سے قائم دہر میں محنت کا حق

تجھ سے امرت، گرم ماقول کا فرق

اے دبیرِ دہر و پیہر حق پناہ

نشرِ فساد و تبہ ساری سرنگاہ

مانیتیں قومیں اگر تیرا نظام
 آج تلواریں نہ ہوتیں بے نیام
 پھر بھی اک عالم میں ہے تابندگی
 تیری جانب مڑ رہی ہے زندگی
 اے کہ تجھ سے بدلے خلفشار
 عجب زر دار و غنرور شہریار
 اے کلیدِ قفلِ بابِ رنگ و نور
 اے حکیم نو، کلیم تازہ طور
 اے روئے بدمانی و آوارگی
 اے طبیبِ علتِ جیہ گری

اے خطیب منبر فیضِ عمیس

اے ضیائے مشعلِ رِزقِ کریم

خیرِ خواہِ جملہ اقوامِ دُنیا

رازقِ بے قید "ایمان و عمل"

ہاں علیٰ العرسمِ نظامِ عرشِ پاک

اے دواے جملہ علّتِ پائے خفاک

اے پیامِ آبِ بہرِ شنگاں،

اے نویدِ ناںِ برائے خستگان

اے گدائے راہ و شاہِ ششِ جہت

اے ابوالافلاس و ابنِ مرحمت

دشمنِ پیائے پست و بلند

حامیِ بیچارگانِ دردمند

آجینے سے ترے سکتے میں سنگ

اے کہ تو اتنے ہوئے پہروں کا رنگ

اے کہ تُو حِمِّ سفالیں کا بھرم

اے کہ تُو سازِ شکستِ جامِ جم

اے کہ تُو برقیِ سحابِ غمِ کشاں

اے کہ تُو دردِ دماغِ خسرواں

اے کہ تُو آہنِ شکنِ آئینہ ساز

عارفِ شاہیں گُش و متری نواز

اے کہ تیری ہر نگاہِ نکستہ یاب

صحتِ ذرات و مرگِ آفتاب

ہمدمِ شبیر و برخواہِ تیزید

موسیٰ نو بہرِ فرعونِ جدید

اے عدوئے "نوریانِ شعلہ خور"

اے انیس "خاکیانِ مردہ رو"

اے رفیقِ خستگانِ بے نوا

نا خدائے بندگانِ بے خدا

اے نگاہِ بے نگاہانِ جہاں

اے کلاہِ بے کلاہانِ جہاں

مُنکرِ دارائی "غرش بریں"

اَوّلین پمیبِ فرشِ زین

ہندراستش بہ جامے دادہ

پائے شل راہم خرامے دادہ

رُوسِ تو قصبہ خشنہ باد

زندہ و پائینہ و تابنہ باد

۱۹۳۱ء

سحابِ مَرُود

اُزل سے پیرِ مِغلاں کا ہے جوشِ یہ ارشاد

کہ تا ابد نہ رُکے جم، ہر چہ بادِ اباد

رفیقِ اکھول بھی دے بادِ بانِ کشتیِ شوق

سُبک ہے آبِ رواں، چل رہی ہو بادِ مراد

خود آج حُسن ہے پابندِ عشق و خُرفِ نیاز

خود آج میند کے قابو میں ہے دلِ مینا

بہم ہے آتشِ سیال و موجِ آبِ رواں

ہزار بار ترا شکر، جامعِ اَصْدَاد

اُٹھی ہیں جھوم کے کالی گٹھائیں قبلے سے
 ہوئی ہے غیب سے زندانِ مست کی ادا
 سحابِ حسن سے رنگیں ہے روتے ہم ورجا
 شرابِ عشق سے رقصاں ہو طح کون فنا
 فقیرِ شہر بھی ہے کارِ شرع سے فارغ
 حکیمِ عصر بھی ہے بندِ کمر سے آزاد
 ہر ایک پھول ہے ساحل پر، شکِ باغِ رحم
 ہر اک حبیب ہے دریا میں فخرِ تاجِ قباد
 بساطِ لغمہ نوازی ہے خاکِ نوحہ نہشت
 محلِ راست روی ہے بہانِ کج بنیاد

ہر ایک لہجہ ہے تفسیرِ نغمہ و آواز

ہر ایک نقش ہے تصویرِ فانی ٹہنڈا

قدائے شرح و بیاباں میں نزاکتیں جس کی

بیاض گل پہ رقم ہے وہ دل نشیں رُوداد

ہر اک کلی ہے جس میں گر کشائے رُوز

ہر ایک گل ہے گلستاں میں صاحبِ ارشاد

ہر ایک جہاد ہے آرزو کی کاکِ توحید

لکھے ہیں خاک پہ بارانِ نئے وہ عجیبِ اعدا

سارِ ہی ہے سرِ برہم قلقلِ مینا

نویںِ خاطرِ مجموع و مشردہ دل شاد

مے نے کہہ بھی آج ہے فیضِ منہا

امیرِ سلسلہ صاحبِ انِ بخت و کتاب

جہک ہی ہے ترانوں سے لپٹی ہستی

چمک رہا ہے فسانوں سے عالمِ ایجاد

نک ہی ہے تنگدست سے، زیرِ سیائے تاک

توئے نرمِ پُرسِ زعفرانہ نو زاد

چھتری ہوئی ہے سحر سے، میانِ بلبل و گل

حدیثِ ساعدِ شیرین و بازوئے فراد

اب رنگِ سخنِ ہائے جوش ہے ولہد

راجِ ہمسرِ شیراز ہے طبعِ آباد

رباعیت

(۱)

ممنوع شجر سے لطف پیس لینے
 عصیاں کی گھنٹی چھاؤں ہیں پھر دم لینے
 آواز دو کا شمسِ سراپو پنچا جوش
 اللہ سے انتقامِ آدم لینے

(۲)

یہ رات گئے عینِ طرب کے ہنگام
 بر تو یہ پڑا پشت سے کس کا سرِ جام
 یہ کون ہے؟ جبریل ہوں کیوں آئے ہو
 سرکارِ افلاک کے نام کوئی پیغام

(۱۳)

یہ شامِ خنک، یہ ابرِ افسردہِ خرام
 ہستی کی فزید، آور نہ ہستی کا پیام
 گردوں پہ اک آہِ سی ہے لیکن موموم
 دل پر اک بوجھ سا ہے لیکن گم نام

(۱۴)

اُف سوزِ فراق کھائے جاتا ہے مجھے
 ہر سانس میں چر کے سے لگاتا ہے مجھے
 اللہ کبھی اسے بھی آباد کرے
 یہ سینہ جو خالی نظر آتا ہے مجھے

(۵)

”ہم دہر کے ناچنے پر خیالوں میں نہیں“
 ”ہم سینہ آگہی کے چھالوں میں نہیں“
 جیت رہے کہ ہر بھٹکنے والا انسان
 کہتا ہے کہ ہم بھٹکنے والوں میں نہیں“

(۶)

یہ نالہ بے خروش، کس سے کہیے
 یہ قصہ ورد، جوش، کس سے کہیے
 مکھڑے کی دمک ہے، اور نہ لہجے کی کھنک
 مخمومی چشم و گوش، کس سے کہیے

(۷)

اے فتنہ عمر روزگار، واپس آ جا
 اے رونقِ لالہ زار، واپس آ جا
 ایسے میں کہ تو بہا سہے بادِ فرشت
 اے دخترِ نو بہار، واپس آ جا

(۸)

دل، لیلیٰءِ افکار سے شربت ہے
 اس نقص کو دیکھ کر گھلا جاتا ہے
 فریاد کہ اس دُخِ سِروِ میں بھی مجھے
 بیتے ہوئے لمحوں کا خیال آتا ہے

(۹)

ہر اک روال و وال ہے لیلائے حیات
 بہتا ہوا دن ہے ، اور اُڑتی ہوئی رات
 یہ مکتبہ نظر ، اے جان بہار
 اور سرگریزاں کے یہ زاور محنت !!

(۱۰)

فریادِ مظلوم ، سالِ سخن و قیوم
 انسان ہے یہ نظرِ جہول ، اور ظلم
 دیکھ بھول ، برائے وقت اور ان مجبور
 دوزخ ہو ، برائے خاصیاںِ معصوم !!

(۱۱)

ادراک کی خلوت میں مکیں ہے اب درد
 بے پردہ نہیں، پرودہ نہیں ہے اب درد
 احساںِ مشرت سے ہوں شاداں، یعنی
 ناقابلِ برداشت نہیں ہے اب درد

(۱۲)

عالم تیرا ہے عیشِ عالم تیرا
 کھڈا ہے شکوفوں کی طرح غم تیرا
 عیدِ مفلس سے لاکھ بار اے منعم
 ہوتا ہے شکفتہ تو محترم تیرا

(۱۳)

جب دل نے کُتُب کو خِضِرِ رَاہ کیا
 ہر حرف پہ غور، حَسْبِ دل خواہ کیا
 تو اُن میں سے بیشِتر کتابوں نے مجھے
 جہلِ اہلِ قلم سے آگاہ کیا

(۱۴)

مَنَاس کا سبو بھی سُرِ خوشی کی توہین
 مَنَعَم کے تلاطم سے بھی پیہرِ اتمکین
 ظَلَمَتِ بردوش اُدھر ہے صُبحِ مَوَلُود،
 خورشیدِ کُف اُدھر ہے شامِ تَدفین

(۱۵)

پہچائی ہوا زلف کی خوشبو بن کر
 ابران جیسا کہ فضا میں بگنوں بن کر
 دیکھا ہوا تو سے بھر میں سوئے انجم
 پہلی آنکھوں سے رات آنسو بن کر

(۱۶)

کیا شکر تجھ پر دروہ ہے دروہا دیو
 ہر اک، عاوشہ کی سر سے اک مارہ توید
 یہ خیر سہ پہر ہے مگر کچھ خسرو
 یہ جاہم وفا لیں۔ ہے گلہ جوشنیر

(۱۶)

ہست ہیں برگے بار۔ واپس آجا
 سرشار ہیں آبشار۔ واپس آجا
 رُخساروں کا یہ وقت، چھپوں کا یہ سماں
 آئے گا نہ بار بار۔ واپس آجا

(۱۷)

سے دیو نہاں و چہند ہو جا اللہ
 سے عروجِ اَلَم ، ہست ہو جا اللہ
 ہاں سے حرکت، ہوش کے دل کی حرکت
 کھلتا نہیں در تو ہست ہو جا اللہ

(۱۹)

نشے میں بھی آہ سرد بھرتا ہوں میں
 لمحاتِ حیات میں بھی مرتا ہوں میں
 اس بات کی تو گواہ رہنِ شبِ غم
 ہر گھونٹ پر اُن کو یاد کرتا ہوں میں،

(۲۰)

ہر غم، فتنے محلِ رنگ سے تھرتا ہے
 آلامِ جہاں کا منہ اتر جاتا ہے
 لیکن جسے کہتے ہیں غمِ عشق اے جو نش
 وہ نشے میں کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے

(۲۱)

شترانی سی ہے دراز دوستی اب تو
سنو لانی سی ہے لیلی دوستی اب تو
پھر ٹھٹی ہوئی دھوپ تھا لڑکپن اک دن
رکتی ہوئی سانس ہے جوانی اب تو

(۲۲)

دارائے محاسن کا یہ فیضان عیوب
ہر دِل میں ہے طغیانیِ مدح و ان و زُؤب
سرکارِ مشیت کی بدولت اب تک
ایک آدھ ہے معقول، تو لاکھوں مجذوب

(۶۶۳)

ہر لجن کی فہمت ہے کہ غوغا بن جائے
 ہر نور کی فطرت ہے اندھیرا بن جائے
 اس خمند امروزی سے بھر لے جی کو
 قبل اس کے کہ یہ گریہ نہ رواں جائے

(۶۶۴)

یہ زلفت کہ ہے محیطِ رخسارہ و ضلعت
 حلقوں میں لئے سیاہ ترشے ہوئے ہڈر
 یا لیلیٰ ظلمت کا ہے تاجِ عنبر
 یا عالمِ کیف و سرخوشی کی شبِ قدار

(۲۵)

نافوں کا مچلتا ہوا طوفاں ہے کہ زلف
 یہ تیرگی چشمِ حیاں ہے کہ زلف
 یا ظلمتِ شبِ بامے درازِ غم کا
 بکھر ہوا افسانہ چٹباں ہے کہ زلف

(۲۶)

یہ تنہا ہوا آئینہ، اور یہ زلفِ دوتا
 شگم پہ ہے منظرِ آبِ گنگا جمن
 یوں زلف کے حلقوں میں پیاسے پہلچل
 دریا میں بھنورے پڑ رہے ہیں گویا

(۲۷)

یہ زلفِ دراز ہے کہ ساون کی ندی

یا ابرِ سیاہ ہے سرِ سرِ وقعی

یا خطِ شکست کی محبتی سطر

یا رشتہٗ انفاسِ حیاتِ ابدی

(۲۸)

بادل میں یہ رُوئےِ ماوتِ اباں کیا

ظلمات میں یہ نورِ شبِ اباں کیا

حلقے میں لئے ہوئے ہے رخِ کوکا کل

یہ کفر کے زیرِ سایہٗ تیراں کیا

(۲۹)

گلشن پہ ہے زلفِ بے اماں کا پرتو
 اور زلف پہ ابرِ گلِ فشاں کا پرتو
 نمکھڑے پہ ہے یوں سایہ کا گلِ غلطاں
 جس طرح یقین پر گماں کا پرتو

(۳۰)

اندھی یہ زلف، مری مستِ شہاب
 ہر حلقہ شبِ رنگ ہے گویا گرواب
 یا آتشِ بُرخ کا ہے یہ دودِ پچیاں
 یا زندِ سیہ مست کا الجھا ہوا خواب

(۳۹۱)

ہر گام پر جنبش میں ہے یہ زلفِ رسا
 فوارے سے یا ابل رہی ہے صہبا
 یا موجِ خرم کا اشارہ پا کر
 شانوں پر اندائی ہے گنگو گھوٹا

(۳۹۲)

ظلمت سے ہوا بگڑ رہی ہے گویا
 بادلی کی پری بگڑ رہی ہے گویا
 یوں موجِ صبا سے لڑ رہی ہیں نکلیں
 تاریک پھوار پڑ رہی ہے گویا

(۳۴۳)

زکھیں ہیں کہ زویدہ خیالات کی رات
 اسے جہاں حیا! ٹھہر بھی جا رات کی رات
 ان تیرے گھٹاؤں میں کہہ جاے گی
 شانوں پہ لٹے تھے یہ ہر سات کی رات

(۳۴۴)

یہ سلسلہ لاکھناوی ہے کہ زکھیں
 گہوارے ہارے چرخ گاہی ہے کہ زکھیں
 اسے جہاں شباب ادا ہے یہیں بہتے
 جو تھکی ہوئی رات کی سیاہی ہے کہ زکھیں

(۳۷)

کہتا ہوں ترے مُنہ پہ حقیقت تیری
 مقصود نہیں اِس سے شکایت تیری
 سلمیٰ ! وہ مے سے شباب کا تھا پرتو
 میں جس کو سمجھتا تھا مجھت تیری

(۳۸)

کوثر بے کیف ہو تو پانی بہتر
 گچ مچ، موز باں، تو بے زبانی بہتر
 مکر وہ شامل آشنائے اے ہوش
 آئینہ جس حد سے جانی بہتر

(۳۵)

بچوں کا ہے اک کھیل مجا اور ہونا
 مشکل ہے مگر بہت مد پر ہونا
 آسان ہے مومن مقتد بنا
 و شوار ہے کانٹہ مکن کر ہونا

(۳۶)

صحتیف ، تری وہ مہربانی نہ رہی
 اک شے بھی بجز مرتبہ دانی نہ رہی
 رہتی تری نظروں میں وہی بات اگر
 غم مجھ کو نہوتا کہ جوانی نہ رہی

(۳۹)

کیا گوہرِ شاہوارِ ناسفِ سر ہیں
 داناؤں کے افکارِ حسنِ خفتِ سر ہیں؟
 اے ہمتِ سروانہ! سخنِ رائے و تہق
 کیوں دہشتِ ابہل سے ناکفہ رہیں؟

(۴۰)

کب تک کرے ششِ شریعت کوہِ ک
 ہمتِ فخرِ سرورِ مست کا دھوکا
 اے آدمِ خفتِ سرِ الہِ دوران!
 تمکے غمِ عبودیت کا دھوکا؟

لو خیم کی کھیلے بائی کا جواب ع۔ "از بے غرضی خلق کا کفہ باند"

(۴۱)

اے نوبع بشر! عقدہ کٹائے فروا
 اے مشعلِ محراب! سدا اے فروا
 مروانہ مٹم اٹھا سوئے اوج کمال
 اے بندہ! امروز و عدا اے فروا

(۴۲)

شبِ غم سے نہ گل و گھلیں تو میسر اؤمہ
 موتی نہ اگر رلیں تو میسر اؤمہ
 اک درجو ہوا بند تو آئی یہ عدا
 سو در نہ اگر کھلیں تو میسر اؤمہ

(۴۳)

سَو بات کی ہے یہ بات، آؤ سوجائیں
 بدست ہے خود حیات، آؤ سوجائیں
 شبنم سے ہے چاندنی کا دامن ننکا
 اب بھیک چکی ہے رات، آؤ سوجائیں

(۴۴)

رہتا نہیں ہوش میں نظمِ اوقات
 ہو جاتے ہیں غرقِ کیف و مستیِ لمحات
 کھل جاتی ہیں جب تری گھنیری زلفیں
 تو شام بھی بن جاتی ہے بھگی ہوئی رات

(۴۵)

آجا، ہیجان میں ہیں دھارے، آجا
 اک شور ہے دریا کے کنارے، آجا
 کلیوں پہ چمک رہی رُس کی بُوندیں
 لہروں میں مچل رہے ہیں تارے، آجا

(۴۶)

کلیوں پہ اُدھر دُستِ مِستی کے نِکات
 ہنٹوٹوں پہ اُدھر مَصْحَفِ غم کے آیات
 آمادہ مَصالِحَت پہ ہو گی کیوں کر؟
 بھڑکی ہوئی یہ آگ، یہ بھسکی ہوئی رات

(۲۶)

ہر چہ کہ رکھتا ہے روانی دیا
 اُس پر بھی ہے عشقِ سرگرائی دیا
 جاگیرِ گدا پر ہے نگاہِ مُنطہاں
 کوزے کا چپڑا رہا ہے پانی دیا

(۲۸)

ذہنِ مُردوں سے دل لگاؤں کیونکر
 چلتی لاشوں کے پاس جاؤں کیونکر
 مجھ میں ہو تو لاکھ بار کروں برداشت
 احمق کا مگر بار اُٹھاؤں کیونکر

(۴۹)

ہاں تیرے چہلہ دید و بزم کی طرف
 ہاں بھیج قضا کو خیرِ غم کی طرف
 اہلاد کا یہ وقت پہلے ناخن مہر
 صرف ایک کرن عقدہ شبنم کی طرف

(۵۰)

کچھ لذتِ بحث جس کی صحبت میں نہیں
 باتوں کا مزا اُس کی رفاقت میں نہیں
 جو مختلفِ الخیال مجلس میں ہے لطف
 وہ متحدِ الترائے جماعت میں نہیں

(۵۱)

ہر خوف کو زیرِ ولایت کر کے نیکلو
 ہر نصیبت کو اگھر سے مہت کر کے نیکلو
 نیکلو جو پئے شکارِ مرغ و ماہی
 تو شیر کا بن دو بستی کر کے نیکلو

(۵۲)

ظلمت میں چمک رہی ہے افشاں جیسے
 یا وقتِ غروبِ رنگِ بستاں جیسے
 رُخ پر ہے لٹول سے جھٹ پٹے کا عالم
 آلودہ ابرِ صبحِ تاباں جیسے

(۵۳)

پلکیں ہیں کہ میکدے کے در کی دریاں
 آنکھیں کہ دڑچہ ہائے صبح خنداں
 یا چرخ جوانی کے دھکتے تارے
 یا جامِ بلوریں میں مُقیتِ سدریاں

(۵۴)

بیجان میں ہے قہرِ الہی ہو گیا
 غلطاں ہے اندھیے میں تباہی گویا
 ان رات کی تیسرگی، عیاذاً باللہ
 زاہد کے صنیر کی سیاہی گویا

(۵۵)

پستی میں بلندی کا اشارہ گویا
 کہتے ہیں ہے عجب کا ستارا گویا
 اس کارِ گرفتہ میں یوں ہے شاعر
 طوفان میں نور کا مینا برا گویا

(۵۶)

ہمیشہ غمِ کُشاں جذبات پرست
 واناؤں کی ہمت کبھی ہوتی نہیں لپست
 ہوتے ہیں لشکر سے مسلح جو دماغ
 وہ لشکرِ دل سے نہیں کھاتے ہیں شکست

(۵۷)

ایماں کبھی کھل کے سانس لیتا ہی نہیں
 کشتی آبِ خسر میں کھیتا ہی نہیں
 فائدہ کہ افکار کی آزادی کا
 مذہب کبھی لائسنس دیتا ہی نہیں

(۵۸)

انسان کب تک نہ صدِ محفل ہوگا
 کس روز بشر بالغ و عاتل ہوگا
 قرون سے ہیں اربابِ نظر چشمِ براہ
 کس دن یہ ہلالِ ماہِ کامل ہوگا؟

(۵۹)

افسوس کہ اب بھی غم سے پانی ہے لہو
 اب تک وہی ارتقاء کی ہے سست
 حکمت ہے صبحِ نادرِ امید بہ افق
 انسان ہے حرفِ نارسید بہ گلو

(۶۰)

قُدرتِ غیظ و غضبِ نیا کی کیا
 کی عقل نے آنکشتِ مَن کی کیا
 مذہبِ گرہنے لگا جب آئینِ حیات
 انسان کی سرشتِ مُسکرائی کی کیا

(۶۱)

مرتا ہے، مگر حیتِ ملتی ہی نہیں
 دل جس سے کھلے، وہ بات ملتی ہی نہیں
 تقلید ہے وہ وجہِ مفاسل جس سے
 ملا کو کبھی خجرات ملتی ہی نہیں

(۶۲)

ہاں شیخ کا ہے جو ہر اصلی دھوکا
 دیتا ہے اُسے تو بس تسلی دھوکا
 کل زند تر و تازہ تھا، اب زاہد خشک
 وہ بھی دھوکا تھا، اور یہ بھی دھوکا

(۶۳)

طاقت حملے کی جب چلی جاتی ہے
 فطرتِ حیلے پہ دل کو آکساتی ہے
 ہو گریہ کا غمِ حج کہ حضرتؑ کی نماز
 دونوں کے تفتوئے ہنسی آتی ہے

(۶۴)

کیا محسوس کو گراں خواب سمجھ رکھا ہے
 یا جوئےِ تینک اب سمجھ رکھا ہے
 جہاں کے ڈر سے ترک کر دوں گا شراب
 تو نے مجھے نوابؑ سمجھ رکھا ہے

ایک نندیا جی و موئی محل کی جانب اشارہ ہے۔ اصل نام کے عوض "نواب" استعمال کیا گیا ہے۔

(۴۵)

ہاں دل کو رہیں بادہ خواری کر لے
 رگ رگ میں طرب کی نہر جاری کر لے
 اللہ سے فتنہ ہائے بیداری ہوش
 مانا ہے اگر تو خواب طاری کر لے

(۴۶)

دل آن پہ نہ یوں نثار کرتا لے کاش
 خود کو نہ زبون و خوار کرتا لے کاش
 بہتر تھا کہ دوزخ پہ بھروسہ کرتا
 جنت کا نہ اعتماد کرتا لے کاش

(۶۷)

بدخواہِ ہمپیر نہ کہیں ہو جاؤں
 ہاں مُنکرِ داور نہ کہیں ہو جاؤں
 انساں کی تباہی کا متا شاکر کے
 ڈرتا ہوں کہ کفس نہ کہیں ہو جاؤں

(۶۸)

کچھ بھی نہیں عالم میں مجبُزِ بد حالی
 خود گڑ گیا، نیو جس نے گہری ڈالی
 یہ دہر ہے بازار کی گالی گویا
 سُننے کو جو مڑ گیا، اُسی نے کھالی

(۶۹)

درماندہ و بے ثواب ہوں، حیراں ہوں میں
 المختصر اک مرد پریشاں ہوں میں
 سعی ہوں کہ آمد سے ہم آہنگ ہو "خرج"
 رومال کے اوڑھنے میں کوشاں ہوں میں

(۷۰)

مخلص نہ ہی ظلم کا بانی تو نہ بن
 شمشیرِ عدل کی روانی تو نہ بن
 کترا نہیں احسان کا تدارک، نہ کر
 محسن کا مگر دشمنِ حبانی تو نہ بن

(۷۱)

یہ عشق ہے، اسودہ لگا ہی کے لئے
 یہ راست روی ہے کج کلا ہی کے لئے
 تم کو اپنے سے بڑھ کے رکھتا ہوں عزیز
 لیکن اپنی ہی خیب خواہی کے لئے

(۷۲)

ہر یار جفا جو کونسا ہا میں نے
 سمجھا ہر خیم دل کو پھا ہا میں نے
 لیکن اپنے سے بڑھ کے اب تک واللہ
 دنیا میں کسی کو نہیں چاہا میں نے

(۷۳)

اک جنس کا میلان ہے اور کچھ بھی نہیں
 اک جسم کا میجان ہے اور کچھ بھی نہیں
 اے مردِ خدا رُوح سے کیا عشق کو کام
 یہ خون کا ارمان ہے اور کچھ بھی نہیں

(۷۴)

سوئے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہے
 جاگے ہوئے ذہنوں کو سلا دیتی ہے
 جس قوم کے اعصاب پر عورت ہے سوار
 وہ عقل سے عشق کو بڑھا دیتی ہے

(۷۵)

جُرعَات سے دِل کے دِلغ دھوتی اے کاش
 خُشکی میں سِفین نہ ڈبوتی اے کاش
 دو بوندوں نے اُور اگ لگادی دِل میں
 پیمانے میں اک بوند نہ ہوتی اے کاش

(۷۶)

خُل خوار کو پروان چڑھانے والے
 کمزور کو خاک میں ملائے والے
 شاہیں بھی ہے کیا تیری ہی ایجادِ لطیف
 معصوم کبوتر کے بنانے والے؟

(۷۷)

ہر صبح ہے اک عجیب سودا جس کو
 ہر شام ہے اک طرفہ تقاضی محب کو
 جگ بیت گیا مگر یہ اب تک نہ کھلا
 سفر کس شے کی ہے قمتا محب کو

(۷۸)

ہر آہ کی لو، ز منزمہ کاری نکلی
 ہر برق کی رو، باد بہاری نکلی
 آنکھوں سے گزر گئی جب اشکوں کی سپاہ
 ہونٹوں پہ بستم کی سواری نکلی

(۷۹)

شانوں پہ ہے چھٹکی ہوئی زلفونکی لٹک
 اعضاء میں ہے تازہ شاخ گل کی سی لچک
 اور اُس پہ یہ انگریزی کا علم کہ نہ پوچھ
 بھری ہوئی بدلیوں میں جس طرح دھنک

(۸۰)

نشیوں کو عجیب سوز بختا میں نے
 تاروں کو سرشکِ غم بنایا میں نے
 جب رات کو آنسوؤں کی چلین سمیٹیم
 مہتاب کو مسکرا کے دیکھا میں نے

(۸۱)

پروانہ کریں گے تازہ آنے والے
 دودن میں بھلا دیں گے زمانے والے
 گلزار سے اے بہار، جاتی ہے توجہا
 اب ہم بھی ہیں عنقریب جانے والے

(۸۲)

اے چشمہ لالہ زار، دم بھرتے تو ٹھہر
 ابرِ سر کو ہمار، دم بھرتے تو ٹھہر
 اک آبلہ پا، دواں ہے تیری جانب
 اے قافلہ بہار، دم بھرتے تو ٹھہر

(۸۳)

اے شبنم تازہ اپنے گلشن کو بچا
 اے تیغ کدہ جیتا، خرمن کو بچا
 وہ آئی مرے لب پہ دیکھتی ہوئی آہ
 اے لیلیٰ ز مہرِ رودان کو بچا

(۸۴)

انسان ہے گامبستِ لائے آلام
 پل بھر کو بھی حاصل نہیں ہوگا آرام
 ہر آن دھڑکتے ہوئے دل کے منہ میں
 جب تک کہ دماغ کی لگے گی نہ لگام

(۸۵)

پھر ڈال دی اُس نگار نے غم کی طرح
 پیمانہ ہے پھر دیدہ پر غم کی طرح
 آئی برسوں میں مثل نورِ انجم
 اور آ کے گئی قطرہ شبِ غم کی طرح

(۸۶)

ہونگے محروم ہر نظر اے سے کبھی
 بن جائیں گے ٹوٹے ہوئے تارے سے کبھی
 تم بھی تھے ہمارے سے کبھی اہل قبو
 ہم بھی ہو جائیں گے تنہا اے سے کبھی

(۸۶)

گُستا میں کھل رہی ہے سیلے کی کلی
 رفتار میں مڑ رہی ہے سون کی ندی
 چہرے پہ سُرور و نور، آنکھوں میں غرور
 سرکار نے کیا آئینہ دیکھا تھا ابھی؟

(۸۷)

سے دل، ضائع نہ کر بہ انعامِ فلک
 اہل لمحہ خوش ہیں خوب جی بھر کے دمک
 یہ بحرِ طیبِ ارہ عاجل کا ہے عکس
 یہ نہر میں ہے شہابِ ثاقب کی چمک

(۸۹)

جو دل کی ہے، وہ بات نہیں ہوتی ہے
 جو دن نہ ہو وہ رات نہیں ہوتی ہے
 ہستی ہے وہ طوفان کہ اکثر اے جوش
 اپنے سے ملاقات نہیں ہوتی ہے

(۹۰)

بہچھٹائی صبا، زلف کی خوشبو بن کر
 ارماں بہا کے فضا میں جگنو بن کر
 دیکھا جو ترے عجب میں سوئے اجسم
 چمکی آنکھوں سے رات آنسو بن کر

(۹۱)

مطبوع مسائل کا کتاب ہے سراغ
 محرابِ نیت میں جلاتا ہے چُراغ
 افسوس کہ اک غمِ میں حب کر یہ کھلا
 دل کا اک نکتہ بس مصاحب ہے دماغ

(۹۲)

اسرار کو میزبان میں تولانا گیا
 موتی تھے یہ وہ کہ جن کو زولا نہ گیا
 خود کھل گئی عمر کی کسانِی افسوس
 اور عقیقہ کا سنات کھولا نہ گیا

(۹۳)

جیسے پیمیاں نباہتا ہے کوئی
 خود پر روؤں، یہ چاہتا ہے کوئی
 جب شام کو میداں میں سنکتی ہی ہوا
 میسے دل میں گراہتا ہے کوئی

(۹۴)

ہشیار ہوا سے گروہ صاحب نظر اں
 غفلت کا محل نہیں جہاں گزراں
 پل بھر بھی یہاں پلک جھپک جانے میں
 ہوتا ہے ہزار ہا مناظر کا زیاں

(۹۵)

اے عمرِ رواں کی رات آہستہ گزر
 اے ناظرِ کائنات آہستہ گزر
 اک شے پہ بھی جمنے نہیں پاتی سہمے نگاہ
 اے قافلہٴ حیات، آہستہ گزر

(۹۶)

طوفان کے ہیں جھٹ پٹے کی رو میں آثار
 میدان ہے تاحۂ نظریۂ سرفراز
 گردوں پہ گرج رہی ہے پُر ہول گھٹ
 گلشن میں لرز رہی ہے پودوں کی قطار

آوازہ خیمہ سالات

یہ جانِ زار کہ پامالِ خستہ عالی ہے
کمینہ پیش کشِ بندِ گمانِ عالی ہے

نازاں ہوں تھلُّ پر جب لوٹوں کو نمایاں کر
مَدّت سے پریشاں ہوں، اک دن تو پشیاں کر

تشہِ مرگ ہے جہاں، زہرِ فنا کا جام دے
نرگسِ نیم باز کو رخصتِ قتلِ عام دے

بلغ میں ابر ہے، اور ابر میں رُوحِ طُوفان
میرے پہلو میں بھی اے دُختِ طُوفان آجا

یوں آج تیرہ رات میں گرمِ خروش ہوں
گویا کوئی جہاں میں نہیں ہے مرے سوا

عالم کو گاہے گاہے جاتز ہے بادہ خواری
عارف کے واسطے ہے شربِ مدام ساقی

آج پھر بیدار میرے دل میں اُن کی یاد ہے
اے زمین ہنس رہی ہے، اے آسمان فریاد ہے

کس طرح قُربِ یار پہ شکرِ خُدا کروں
اب بھی ہے دل میں کوئی متناسی، کیا کروں

قافلہ شوق، اٹھ، آئی وہ بانگِ حسیل
سازِ طرب، راہِ بر، لرزشِ صبا و لیل

ظلمت کی رُونمائی کو کچھ نور چاہیے
رونے کو بھی تو خطِ مَسرور چاہیے

جب سے جو بے حقیقت کر دیا
شعر کو ہم نے عبادت کر دیا

دیکھ جاؤ کہ ہوش آیا ہے
پھر ہماری خبر نہ پاؤ گے

دونوں جہاں کو لے کے دیا ایک مے کا جام
رحمتِ خدا کی ساقی ارزاں فروش پر

اب ننگِ تہ را ندانہ ہر کس کہ نزدِ عشق
صد عشرتِ دو عالم ایک نرِ حق سے نکالے

گو رہیں شکستہ حالی ہوں
شاہِ اقلیم خوشِ مقامِ عالی ہوں

واہے دَرِ تَبَسُّمِ ہر نیمِ واہلی میں
دیوانہ ہو رہا ہوں جنگل کی چاندنی میں

نہیں جہاں ہیں کوئی آسرافقیروں کا
کہ بے نیاز بہت ہے خدا امیروں کا

زس کی بوندیں پڑ رہی ہیں تاکجا یہ پیش و پس
ہم نشیں، ساغر اٹھا، اللہ بس، باقی ہوس

میری یوسف شناس نظروں میں
قدّہ ذرّہ ہے مصر کا بازار

اپنے جلوؤں کو پا رہی ہے نگاہ
کیا میسر ہوا ترا دیدار ؟

آب اور جو شب انتظار کیا ہوگا
یہ ابتداء ہے تو پایاں کا کیا ہوگا

نور بھی، بحر میں افسردہ ہے، ظلمت بھی اُداس
صبحِ رنداں کی قسم، شامِ غریباں کی قسم

بہت ہیں آب و رنگِ رُوئے تاباں دیکھنے والے
بہت کم ہیں عیارِ نازِ خواباں دیکھنے والے

جگر، بوتل ہے کیونکر جام سے سیراب، کیا جانیں
یہ ناقصِ طینتانِ منبر و محراب، کیا جانیں

جب ذکرِ تمہارا چھڑتا ہے جب یادِ تمہاری آتی ہے
رہ رہ کہ اس سینے میں اک ناگن سی لہراتی ہے

آوارہ کو چٹہ بتاں ہوں
سلطانِ زمین و آسمان ہوں

بخش کر یاروں کو ساقی نے سحرِ جامِ ہمال
ہم کو چھانٹا خدمتِ جامِ جہاں ہیں کے لئے

وقت آیا ہے کہ اب بیدار ہوئے انقلاب
زندگی بے چین ہے تجریدِ آئیں کیلئے

شکستہ ہونگے رباب کیا کیا، تباہ ہونگے شباب کیا کیا
چلیں گے بیری کے وار کتنے، مگر زمانہ ہوا ہے گا

پلک جھپکنے میں ایک ہر چھی نطکے اٹھنے میں ایک خنجر
یہی اگر عشوہ کا ریاں ہیں تو کوئی نہج کر کہاں ہے گا

وطن میں آغازِ شاعری نے کہا تھا یادش بخیر مجھ سے
یہی اگر گنہ باریاں ہیں چمن میں کیا آشتیاں رہیں گے

ہوئی یہ بیک بیک کس سے ملاقات
کہ خود اپنے کو یاد آنے لگا میں

مُسکراتی ہوئی یوں آئیں وہ مے خانے میں
رُک گئی سانس پھلکتے ہوئے پیماؤں کی

اُگ رکھ دو تو برف ہو جلے
اُہ بھر دو تو حرف ہو جلے

وقت کی دولتِ نیدار سے جو زخم کہن
بہر چلا تھا اُسے پھر آج صبا پھیر گئی

۱۰۰ غزلیں جبریل شکی نعم العینیں

پہلی آج ایسی ٹنک ہوا کہ کسی کو یاد دلا دیا!
 جو دیا تھا دل میں مجھا ہوا اسے مٹے پھیسے جلا دیا

نَدِیمِ آ کہ وہ رنگیں زمانہ یاد کریں
 وہ عیشِ جمح وہ کیفِ شبانہ یاد کریں

پوچھتے کیا ہو جو شمس کی حالت
 اب کی بچتے نظر نہیں آتے

دل کی پامالی پہ ناداں کو کس کھانے بھی دو
 روکنے سے فائدہ؟ ماصح کو سمجھانے بھی دو

جس شے کو دیکھتا ہوں طوفانِ رنگِ بوسے
 یہ کون مجھ سے، یارب اس گرمِ گفتگو ہے

شب کو آنکھیں لڑیں ہوئے خاموش
صبح دیکھا تو راز افشا ہوا

ہائے کس صورت سے حسن و عشق کو کھج اکروں
حسرتوں کیوں کھائے جاتی ہو مجھے میں کیا کروں

ایسے چپ تو کبھی نہ تھے تم جو شس
سچ بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے

فروعِ انساں کو میسر ہی نہیں ہوتا کمال
اے کس معیار کی یہ حسرتِ تعمیر ہے

فعال نہیں یہ اثر ہے دل میں خوشی کی پہاں ترین حس کا
ہنسی نہیں۔ یہ تڑپے جگر میں خفیف سی اک ضربِ اثرِ غم ہے

انہیں اوقات میں پڑتی ہے طرح بزم افروزی
فدا ئے رنگِ ابر بہمنی و بادِ نوروزی!

وہاں شر سے نہ کیوں اُمید رکھیں خیر و خوبی کی
جہاں اے جوش ہوتے ہیں جواہرِ سنگ سے پیدا

افقِ تھاحسن کا دھندلا طلوعِ عشق سے پہلے
یہ رنگینی ہوئی میسے شکستِ رنگ سے پیدا

ادب سے دیکھ چمن میں بہار چھو لوں کی
چمک رہی ہیں یہ پیشانیِ سالِ رسولوں کی

حسین جھول رہے ہیں برنگِ ابر بہار
روان ہے خونِ حیاتِ ڈوریوں میں جھولوں کی

بڑھاسی تھا میں سوئے گل کہ دفعۃً اے جوشِ
مے سلام کو شاخیں جھکیں، بتولوں کی !

گویا کبہا رُپ پستی ہوئی بدلی
اُس شاہدِ بدست کی رستا تو دیکھو

اے ان آستانہ زلفوں کے اثر سے غافل
تو نے پرنسے نہیں دیکھے ہیں گریبانوں کے

اب خواب ہیں وہ عہدِ تما کی لذتیں
جب آؤ نیم شب سے جگر روشن تھا

منوکلن یوں رُوئے حبان ہو گیا
۳ نہ چاند کا دھبہ منایاں ہو گیا

فسونِ برہمئی ابرِ شام تنہائی
نہ مجھ سے پوچھ، کہ آنکھوں میں رات کلائی ہے

کروٹوں کی نذرِ جو باتی ہیں راتیں حبس کی
اُن گھنی پلکوں کی موجِ خواب افشان کی قسم

تلخی حق کی ہم نشین! سو گند
صبر بھی تلخ ہے، شرب بھی تلخ

پہلو میں یاسادہ، آنکھوں میں موجِ بادہ
اے جوشِ اسٹالڈ کیا پاک بازیاں ہیں

ہمنشیں! خاک کے پردے میں چھپ جاؤ لگا میں
روئیں گے برسوں زمین و آسمان میرے لئے

ہنگینہ ہے کہ آنسو فیصلہ کرنے سے ڈرتا ہوں
چمک پر جب حیاتِ عارضی کی، غور کرتا ہوں

اس مری آتشِ غم کو نہ سمجھ کر بے عظیم
مارِ مرود میں ہے گلِ کدہ ابراہیم

بغیر نام لئے آپ کا ، اگر میں نے
شراب پی ہو تو گویا ہم شے پی ہو

مجھ سے کیا شکوہ ہے مرابِ جمال
مجھ کو میری نگاہ نے مارا

کیفِ تکمیل یاس کی سو گند
طربِ گاہ گاہ نے مارا

ہر آن کھیلتے رہے گو موت ہی سے ہم
مائیوس ہو سکے نہ مگر زندگی سے ہم

اے آسمان اتنے خدا کا نہیں ہے خوف
ڈرتے ہیں اے زمین اترے آدمی سے ہم

تخم نہیں ہوتا زندگی سے
شامِ بیمار و صبحِ بادہ گدار

دل ہوا اتنا خوشی سے نمکنا
روح کو احساسِ غم ہونے لگا

گو بجتی پھرتی ہے آفاق میں بھوکوں کی صدا
کون اشد کو کہتا ہے کہ رزاق نہیں؟

میں شہرِ یارِ گل ہوں، شہنشاہِ لالہ ہوں
شکرِ خدائے مستِ شرابِ عالم ہوں

مکرانے ہی پہ ہے صبح وصال
شکوہِ طولِ شبِ حیراں نہ کر

خمِ کاکل میں گرفتار ہوں، دلِ شاد ہوں ہیں
شکرِ معبود کہ ہر تیرے آزاد ہوں میں

فناں کہ یار کو کیفِ شبانہ یاد نہیں
فنونِ محرابِ چاند اوہ فسانہ یاد نہیں

زمین جس سے خروشاں تھی، آسماںِ رقصاں
وہ جو خوشِ بربط و چنگ و چمن یاد نہیں

پھل رہی تھی دو عالم کی داستاں جس میں
وہی مکالمہِ محشرِ زمانہ یا د نہیں

خواب میں جب تک کہ ہے پیغمبری ہے زندگی
اور اگر بیدار ہو تو داوری ہے زندگی

لبِ گلِ رنگ کو آزر دہنِ فریاد نہ کر
بن پڑے تو مجھے اب بھول کے بھی یاد نہ کر

تجھ کو ان نیش کی ترسی ہوئی آنکھوں کی قسم
اپنی راتوں کو مرے حشر میں برباد نہ کر

بالِ الجھجھوئے لبِ خشک، نگاہیں مایوس
حسنِ پرتنا ستمِ اوستم ایسا دہ نہ کر

زمانے میں کس درجہ بے دست و پا ہے
ترے عشق سے جو مُتَلَح نہی س ہے

اے ابر، جا کے کہنا اُس حبانِ آرزو سے
چھبستی ہے پھانسِ دل میں اب تو کُلوں کی بُو سے

صبح ہوتی نہیں طُلو عِ جہاں
دل کی بستی اب ایسی بستی ہے

دل ہے اُس سطحِ غم پر اب قائم
نہ بکندی ہے اور نہ پستی ہے

نشے میں بھی بستی ہیں سمکھیں
کتنی بے کیف مے پرستی ہے

شہرِ دھلی کے ذرے ذرے پر
ہائے کیا بیکسی برستی ہے

اب تو اے جانِ جاں، مری ہر رات
نیند کے واسطے ترستی ہے

اب یہ عالم ہے زندگانی، کا
جس پہلے جوش، موت ہنستی ہے

پھر جنوں سلسلہ جنباں ہے، خدا خیر کرے
پھر نظر، سوئے گریباں ہے، خدا خیر کرے

یہ کنارِ خمں، یہ ابرِ بہار
ایک طوفاں سا ہے یمن و یسار

کس کس طرح کی دل پہ ہے آفت ، نہ پوچھیے
 غم پیشگانِ عشق کی حالت ، نہ پوچھیے

شمس و قمر ، ثوابت و سیارِ حن و افس
 کس کس کی قلب میں ہے محبت ، نہ پوچھیے

آگ کے بزمِ عیش میں بیٹھے بھی تو یوں آگ کے ہم
 اپنی شمعِ زلیت کے دونوں سرے سلگا کے ہم

نہ جانے رات کو رندوں میں کیا تھی گفت و شنود
 کہ سیلِ نور میں دامنِ فناں تھا شب کا جمود

نوائے کیف سے تھی یوں فنائے شب لرزاں
 ہوا میں صبح کو جس طرح شمعِ کشتہ کا دود

ہر ایک حرف میں کون و مکاں کی پہنائی
ہر ایک سانس میں صد لغتہ ہائے لامحدود

کشتی مئے کو حکم روانی بھی نہ بھیج دو
جب آگ بھیج دی ہے، تو پانی بھی بھیج دو

یہ ہجوم بے فکری، دل بقیہ راکب تک
کلمہ فراق تاکے، غم انتطار کب تک

نہ گلوں کے منہ پر رونق، نہ کلی کے لب پر سُرخ
اسِ اَلَمِ نصیب رت میں سرِ نو بہار کب تک

آئیں وہ، اور میں نہ بھتا موجود
یوں وسائیں فنول ہوتی ہیں

۱۵۔ آپ بھیجے والے نے شراب بڑی دیر میں، بار بار طلب کرنے کے بعد یہی معنی ایکن سوڈا اُس کے ساتھ دانا کیا تھا
جب یہ شراب اُس کے پاس روانہ کیا گیا تو اُس نے سوڈا بھی بھیج دیا +

دل کے لئے شدارِ جہنم سے کم نہیں
وہ حرفِ آرزو جو زباں سے ادا نہ ہو

سازِ طرب ہے دل کے لئے سوزِ ناتمام
اے آہِ نارسائے محبت! رسا نہ ہو

حُسن! اپنی رَہ گزر کا وہ ذرّہ دکھا مجھے
جس سے جبینِ شوق مری آشنا نہ ہو

نُسخِ پُسرخی، نگاہِ مین بچپن
زندگی کے لباس میں گلشن!

جوش میں نے کب کیا تھتا اِدْغَا اسلام کا
شیخ کو کیوں اتنی کاوش ہے مری تکفیر میں

ہر صبح کے بعد، شام ہے آخر کار
 ہر شبِ بنم و گل ہے منزلِ برق و شدار
 ہر خوابِ شباب میں ہے بیدارِ می شیب
 فریاد ہے اے عرِ بدہ لیل و نہار

اے رفتہ شباب اب ہوں کتنا پامال
 افسوسِ محبت کا یہ ہونا ہوتا مال
 اک شہر میں رہ کر بھی، جدائیِ صد حیف
 اک بزم میں بیٹھ کر بھی محسوسِ حمال

اللہ کے حبس ہمنشینانِ کبار
 کتنی نظریں مری نظر سے ہیں دوچار
 ہرچند کہ ہے ہمیشہ نظر مقصدِ دوست
 آنکھوں کو نہیں پس بھی محالِ دیدار

پارے کی طرح چڑھ کے اُترنے والی
 اے جوش کے سائے سے بھی ٹرنے والی
 اللہ کرے خوشی نہ بھاگے تجھ سے
 صحبت سے مری گریز کرنے والی

اب رعبِ جمالِ محب کو آزار نہ دے
 عاشق ہے وہی، جان کی بازی ہو بیے
 ہاں وہ کوئی آگیا، برا فکندہ نقاب
 اے جُراتِ یک نظر، خدا را مدد دے

ہر وقت سکوں کو اذینِ عشرت جانو
 ہر نیم نفس کو ایک دولت جانو
 مستقبل و ماضی میں اُس لکھنے والا
 اس لمحہِ نفی کو غنیمت جانو

اے اختر خوش جمال و اے ماحو بیل
 اے تو کہ ترا نظیر کوئی ، نہ عدیل
 جتنا کہ حقیقہ کر چکی ہے اب تک
 بندے کو اب اُس سے بڑھ کے کرنا نہ ذلیل

گوئین کی ہر آگ کو کج دلاتا ہے
 آفاق کے ہر نور کو دُھندلاتا ہے
 مہتاب میں دھتے ہیں ، گلوں میں کانٹے
 بد میں کو بس اتنا ہی نظر آتا ہے

پھر تازہ فساد، مے کے اوقات میں ہے
 پھر سازشِ نو، اہل مُناجات میں ہے
 سرمایہ صد داغِ جگر ہے اے جوش
 وہ رخنہ کہ دیوارِ خسرات میں ہے

بیہنا کے وفانے آگِ مالاہم کو
 سانچے میں نے سوز کے ڈھالاہم کو
 اپنا ہی نہیں، دل میں ہے دشمن کا بھی درد
 اس چپیز نے اور مار ڈالاہم کو،

کیا خوف، اگر دَوِ فَلَک ہے دشمن
 تلوار کو کاٹتی ہے میسری گردن
 طوفان تو بادباں ہے کشتی کا مری
 آندھی تو مے چیراغ کا ہے رَوغن

حاصل ہے ہر اک بلا سے رندوں کو فراغ
 ہر آگ کا گرداب ہے مہکا ہوا باغ
 موج طوفان کو ہم بناتے ہیں جہاز
 طاقِ صرصر میں ہم جلاتے ہیں چیراغ
